نغمۂ نور

ڈاکٹر ہنومان پرشاد سریواستو جگر بستوی



نغمۂ نور

ڈاکٹر ہنومان پرشاد سریواستو
(ایم - اے - پی - ایچ - ڈی)
گاندھی نگر ، بستی (یوپی)

مرتب ________ الحاج جناب ایم این صدیقی
(اسپیشل ایکزیکیوٹیو مجسٹریٹ)

ٹائیٹل ________ کماری رتنا سری واستوا

خوش نویس ________ خورشید اکرم

طباعت ________ ہما آفیسٹ، ۲۳، میونسپل انڈسٹریل اسٹیٹ
کلارک روڈ، جیکب سرکل بمبئی نمبر ۴۰۰۰۱۱

تعداد ________ ایک ہزار

اشاعت ________ اکتوبر سنہ ۱۹۸۶ء

پرنٹر پبلشر ________ ایم این صدیقی
اردو پبلسٹی بیورو
C-2 وجے چیمبرس
تربھون روڈ
بمبئی نمبر ۴۰۰۰۰۴

Price 14/-



ڈاکٹر ہنومان پرشاد سریواستوا جگر بستوی



پیش لفظ

از: مجروح سلطانپوری

"نغمۂ نور" مجموعۂ کلام ہے حضرت جگر بستوی کا اور نغمہ و عندلیب کا رشتہ کسی تفسیر کا محتاج نہیں ہے۔ کوئی ماورائی منطق ہوگی یا محض حسنِ اتفاق کہ علاج پیشہ گی اور شاعری پر ایک ربط پایا جاتا ہے اردو میں یہ حقیقت کوئی مومن خاں مومن ہی تک محدود نہیں اس زمرے میں ہمارے جگر بستوی صاحب بھی آتے ہیں۔ طرز کلام کی تھوڑی سی مثالیں بھی ان کے بھرے پُرے دیوان سے کافی ہوں گی۔ شہر یاری سخن کا ایک دیوان خانہ ہے جہاں ہر رنگ و لباس کے فریادی اشعار کی صورت میں آپ کو نظر آئیں گے۔ دلسوزی و آرزومندی ان کا بنیادی لہجہ ہے۔ یہ کہیں نوحہ اور نعت و سلام ہے کہیں وطن پرستی کا رزمیہ، کہیں عشق و مستی کی رفتار مستانہ اور کہیں خلوت حسن و عشق کی نسیم سبک رو، ایک طرف جلوت کی وضعداریاں ہیں تو دوسری طرف خلوت کی بیباکیاں مگر حرف و ہنر کی اوٹ لئے ہوئے۔ اس دریا دریا دیوان سے میں صرف چند قطرے اٹھاؤں گا وہ بھی ان کی خمریات کے حصے سے۔ کہ عقلمند کے لئے رمز و ایما کافی ہوا کرتا ہے۔ اور چونکہ ہر شاعر کی کچھ اپنی لفظیات اور انداز بیان بھی ہوتا ہے جس سے وہ سب سے الگ پہچانا جاتا ہے چنانچہ انتخاب اشعار میں اس کا لحاظ میں نے رکھا ہے۔

اوک سے پینے کا مضمون بہت ملے گا مگر پیمانہ دھونے دھلانے کی زحمت سے بچنے کی بات تازہ بھی ہے اور دلچسپ بھی، میکشوں کی رندانہ حاضر دماغی اور موقع شناسی تو دیکھئے۔

جگر کو دیکھ کر ہم مشربوں نے اوک میں پی لی   بھلا یہ رند اب پیمانے دھلوانے کہاں جاتے

اور آگے دیکھئے رندی و سرمستی کے ساتھ روزمرہ کی مثال

حسن ساقی سے ہر دل بہلتا رہے دورِ ساغر بہ الطاف چلتا رہے
مغبچے ناچیں گائیں کلیلیں کریں بزم میں جام پر جام ڈھلتا رہے

دوسرا مصرعہ رندوں کے حق میں کسی مناجات سے کم نہیں آگے ذرا یہ بلا نوشی و بلا کوشی ملاحظہ ہو۔

نوجوانی میں بری اچھی کا تھا کس کو خیال
عمر جب پینے کی تھی ہم پی گئے جیسی ملی!

ساقیٔ دوراں کا میخانہ تو ہے ایسا مقام
جس کو جیسی کی ضرورت تھی اسے ویسی ملی

بادۂ رنگ رنگ کا یہ میکدہ ہر رند کے نصیب میں ہو، خدا کرے۔ اندازِ بیان کی حد تک تو مجھے مرزا داغ یاد آگئے۔ ان کی اپنی لفظیات کی ایک مثال یہ بھی دیکھئے۔ فلسفہ ہے۔

حُسن نے روزِ ازل ایسی پلائی اے جگر — تو اَمر ہے بیخودی میں کہہ اٹھا ایمان کی

یہاں بھی دیکھئے گا۔

اور دیکھو مرے حصے میں تلچھٹ ہی آئی ہے
جو ساقی کی نظر میں ہیں وہ بھر بھر جام پیتے ہیں

غالب کے "دُردِ تہِ جام" سے یہ بات یوں الگ ہے کہ وہ راضی بہ رضا تھے مگر یہاں ہمارے شاعر کا سر جھکنے پر آمادہ نہیں وہ طنز کئے بغیر نہیں رہ سکا۔ ایسے اشعار جو آپ کو متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے اس دیوان میں ڈھیروں ملیں گے۔ یہ تو۔

ایک ذرہ بس ہے صحرا کو سمجھنے کے لئے

مجروح سلطانپوری
بمبئی ۱۶ ر اکتوبر ۱۹۸۶ء

دیوانِ جگر بستوی

از: قاضی محمد عدیل عباسی، ایڈووکیٹ بستی

ڈاکٹر ہنومان پرشاد صاحب۔ سری واستو اجگر۔ ضلع بستی کے ایک ممتاز۔ معزز اور شریف خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور بطور معالج فنی کمال رکھنے میں مشہور ہیں ان کے چھوٹے بھائی سومتر انندن سری واستو فوجداری کے چوٹی کے وکیل ہیں۔ ان دونوں بھائیوں کی ذات سے بستی میں اردو ادب و شعر کی شمعیں، روشن ہیں اور برابر محفلیں منعقد ہوتی رہتی ہیں۔ خود ان کے مکان پر ہر ماہ ایک نشست ہوتی ہے ان کے والد بابو کامتا پرشاد دیوانی کے چوٹی کے وکیل رئیس۔ آنریری مجسٹریٹ اور جیل وزیٹر تھے ان کو بھی اردو زبان سے کمال درجہ کا لگاؤ تھا۔ وہ سنسکرت اور فارسی میں بھی مہارت رکھتے تھے ان حالات میں جگر صاحب کا ذوقِ شعری ایک فطری نتیجہ تھا موجودہ دیوان ان کی غزلوں اور نظموں کا مجموعہ ہے جس میں دو نعت اور ایک سلام بھی ہے جو ان کی وسعتِ نظر، کشادگیِ قلب اور حق پرستی کا نمونہ ہے۔

جگر صاحب کے اشعار میں گل و بلبل۔ ہجر و فراق۔ وصل و شادمانی۔ باریک خیالی، مبالغہ آمیزی۔ صنائع و بدائع کو حقیقت سے علیحدہ ہو کر تلاش کرنا بے سود ہے۔ ان کا طرز حقیقت نگاری۔ اور حیات و کائنات کے مطالعہ کے ساتھ پیامِ انسانیت ہے وہ کبھی اخلاقی زوال پر طنز کرتے اور کبھی سیاست کی حیلہ سازیوں پر کڑھتے اور کبھی نیکی۔ بھلائی۔ عفو و درگذر۔ محبت۔ حب الوطنی اور معرفتِ حق کا پیام دیتے ہیں۔ ان کی شاعری میں خلوص ہے خونِ جگر ہے۔ اور محبت کی گہرائی ہے وہ اپنے فن پر اپنی عظیم مشغولیتوں کے باوجود بڑا وقت اور بڑی محنت صرف کرتے ہیں جو ان کے کلام سے نمایاں ہے حسب ذیل دو شعر میں ایک حقیقت بیان کی ہے۔

ڈھونڈتے تھے وہ چاروں طرف بے خبر — جیسے کھویا گیا ان کا نادر گہر
دشت سے پھر جو بستی میں آیا جگر — بزمِ خوباں خوشی سے اچھلنے لگی

جگر صاحب کی ایک ہمہ گیر شخصیت ہے۔ اور وہ اپنے اخلاقِ کریمانہ اور خدماتِ بے پایاں کی وجہ سے ہر طبقہ میں محبوب ہیں ان کے کلام میں موجودہ زمانہ کی اخلاقی گراوٹ کا کرب ہے۔ جیسے

اس دورِ انقلاب میں انسان مٹ گیا — جو لوگ پارسا تھے وہ بدلے ہیں آج کل
ہم نہ بدلیں گے انداز اپنا جگر — آپ بدلیں زمانہ بدلتا رہے
نشیمن جلے تو بہت دن ہوئے — یہ پھر آج کیوں وہ دھواں یاد آیا
اب تو جگر کسی سے الفت نہیں کسی کو — کیسا زمانہ آیا کیسا نظام آیا!
خدا جانے کہ یہ دنیا کہاں اب جانیوالی ہے — خدا والے خدا کے نام کو بدنام کرتے ہیں
جہاں میں ہوں وہاں اب رہبرِ منزل نہیں ملتا — سفینہ پھنس گیا گرداب میں ساحل نہیں ملتا
سجاتے کیا گلوں کی انجمن کو — چمن والوں نے خود لوٹا چمن کو

جگر صاحب کے دل میں غریبوں کا بے پناہ درد ہے۔

محتاجوں کے جینے کا ساماں نہیں ہوتا — دنیا میں غریبوں کا بھگوان نہیں ہوتا
جو ننگِ محبت ہو اخلاق سے عاری ہو — وہ اور تو کچھ بھی ہو انسان نہیں ہوتا
وہ پُکارتے ہیں
جہاں فرقہ پرستی ہو جہاں مطلب پرستی ہو — زندانوں سے بدتر ہے وہ غم خانے بدل ڈالو
کوئی مشکل حقیقت میں کوئی مشکل نہیں ہرگز — ہمیں تو زندگی میں زندگی کا یوں پیام آیا
وہ اسیرانِ چمن جن پر چلی ہیں قینچیاں — کر سکو تو ان کے بھی پرواز کی باتیں کرو
کچھ فکر نہ کر اے جوشِ جنوں آغازِ محبت میں کیا ڈر * تو گیت خوشی کے گائے جا انجام نہ جانے کب آئے
سرمست ہو کے جھونکوں میں انداز بہاروں کا دیکھو — شبنم سے گلوں کے عارض کو وہ روز نکھارا کرتے ہیں
بُرائی کرنے والوں کو نہیں شاید خبر اس کی — بُرائی کرنے والوں کا بُرا انجام ہوتا ہے
چمن میں پتہ آشیانے کا مرے — یہ مجھ سے نہ پوچھو شراروں سے پوچھو
اسی موجِ دریا سے طوفاں اٹھا تھا — پتہ کشتیوں کا کناروں سے پوچھو

دنیا میں کسی سے بھی نہیں ہم کو عداوت   ہم لوگ محبت کی ہوا کھائے ہوئے ہیں

الغرض جگر صاحب کی شاعری میں گوناگوں سامانِ دلسوزی ملیں گے

جگر صاحب نے ایک سلام بھی لکھا ہے اور اس میں اپنی عقیدت کا گہرے رنگ میں اظہار کیا ہے

اے حسینؑ ابنِ علیؑ اے شاہ دنیا السلام   اے شہیدِ کربلا ممتازِ شہدا السلام

دردِ دل سوزِ جگر اب کیا بیاں ہوائے حسین   اے چراغِ مصطفٰےؐ غم کے مسیحا السلام

نعت میں فرماتے ہیں۔

شرارے نارِ دوزخ کے ہمارا کیا بگاڑیں گے   محمد مصطفٰےؐ کا نام صبح و شام لیتے ہیں

جگر صاحب نے نظمیں بھی لکھی ہیں ان میں شاعرانہ فنکاری کے ساتھ وہی خلوصِ مُدعا اور وہی پیامِ انسانیت ہے۔

گلشن گلشن صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی، ایک مست کن نظم ہے

وہ ظلم کی باتیں کرتے ہیں یا پیار کی باتیں کرتے ہیں

ہم یوں تو حقیقت میں بیشک ہر بات سے ان کی ڈرتے ہیں

اب بات جو وہ بھی کرتے ہیں ہیں صرف وہ دل بہلانے کی

بستی بستی صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی۔

ملاح کی لڑکی ایک رومانی نظم ہے اس طرح اور بھی نظمیں ہیں۔ بڑی دل آویز نظم ہے سنبھلے ذرا انسان تو میں گیت سناؤں۔

اُٹھتا ہوا طوفاں بحیرہ کی لہر میں   ناگاہ مرے بیڑے کو لے آئی اثر میں!

بھگوان یہ کشتی جو نکل جائے بھنور سے   ٹھہرے کہیں طوفاں تو میں گیت سناؤں

سنبھلے ذرا انساں تو میں گیت سناؤں

ایک بڑی لطیف نظم ہے جس کا عنوان عورت ہے۔ عورت شعراء، ادباؔ اور فلسفیوں کے سربستہ راز رہی ہے۔ لیکن جگر صاحب نے اس کو کھول دیا۔ وہ بڑی خوبی سے عورت کے محاسن کا ذکر کرتے ہیں اور ہر مرد کی گردن جھک جاتی ہے جب وہ کہتے ہیں کہ اور خیالوں کا داغ اس طرح

روشن کرتے ہیں کہ وہ محبت ایثار ماں کے روپ قربانی میں نظر آتی ہیں۔

تو ہوئی جلوہ نما سیتا کے پیارے روپ میں
کتنے دن تو نے گذارے چاندنی میں دھوپ میں

تو کبھی زینب بنی پھر آئی بن کر فاطمہ
تو کبھی مریم ہوئی کرنے کو غم کا خاتمہ

خود اہلیہ بائی تھی خود چاند بی بی تھی کبھی
تاجدارِ ہند تو سلطانہ رضیہ تھی کبھی

یاد ہے جھانسی کی رانی کا زمانہ یاد ہے
جنگ کے میداں میں اس کا نشانہ یاد ہے

اور دوسری نظم ۔"اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن" ان کی حب الوطنی کا مشاہدہ کرتی ہے ۔

الغرض یہ دیوان نہایت دلچسپ خیال آفریں اور دلفریب ہے ، اُمید ہے کہ لوگ اسے دلچسپی سے مطالعہ کریں گے ۔

دستخط

عدیل عبّاسی

ایڈوکیٹ ، گاندھی نگر

ضلع ۔بستی ــــ (۔یوپی)

دو حرف

در خرابات سرِ ناموراں گر دیدیم
بسکہ اندیشۂ فکر دیم زیدنا میہتا

اتر پردیش کا ضلع بستی ایک قدیم تاریخی مقام ہے۔ اتہاس کے پنوں میں یہاں کی ماضی کی داستان کا ایک سنہرا ورق نمایاں ہے اسی ضلع میں مکھوڑا کے مقام پر مہاتما شرنگی رشی نے بھگوان رام کی پیدائش کے لئے پتر کسیٹھ یگیہ کیا تھا۔ جہاں پر آج بھی ہر سال بہت بڑا میلہ لگتا ہے اور بڑی بڑی ہستیاں دیکھنے آتی ہیں مہابھارت کال کا وراٹ راج۔ آج کا بانسی راج ہے جس جگہ مہا بلی بھیم سین نے کیچک راج کا بدھ کیا تھا۔ مہاتما گوتم بدھ کی پیدائش کی یہ سرزمین ہمیشہ سے سرسبز و شاداب رہی ہے اور یہیں سے انھوں نے ساری دنیا کو "اہنسا پرمو دھرما" کا پیغام دیا تھا۔ مہاتما کبیر داس کی سمادھی تو آج بھی مگہر کے مقام پر روشن ہے۔ مقبرہ اور شوالا ایک ساتھ کھڑے ہو کر کبیر کی بانی کی بانگ دے رہے ہیں جو ہندو مسلم اتحاد کی جیتی جاگتی تصویر ہیں۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی میں بھی اس زمین کی نقل و حرکت کچھ کم نہ تھی عوام اور سامنتوں نے مل کر ایک ساتھ آزادی کی بل بیدی پر اپنے سر چڑھائے ہیں اور اپنے بیش بہا خون سے اس سرزمین کو سینچا ہے یہاں کے آزادی کے پروانوں میں راجہ نگر، رانی صاحبہ امورھا راج۔ ٹھاکر شیو غلام سنگھ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں جو میدان جنگ میں لڑ کر کھیت ہوئے اور اپنی عظیم قربانیاں دیکر شمعِ آزادی کو روشن رکھا۔ علاوہ بریں یہ سرزمین تاریخی مقامات کی مرکز ہے جو ہمیں ہمارے ماضی کی یاد دلاتی ہے۔

میری پیدائش اسی ضلع بستی کے ایک معزز کایستھ خاندان میں ۱۹۱۶ء میں ہوئی محلہ بخشش پکھیڑہ

جہاں میری پیدائش ہوئی پشتوں سے میرے آبا و اجداد کی جا سکونت ہے میرے گھر میں غدر کے بعد کئی پشتوں سے وکالت و زراعت کا سلسلہ چلا آیا ہے میرے والد بزرگوار بابو کامتا پرشاد صاحب اس ضلع کی ایک معزز ہستی ہونے کے ساتھ ساتھ دیوانی کی چوٹی کے وکیل و آنریری مجسٹریٹ اور بڑے زمیندار تھے۔ چونکہ میرے والد ایک مذہبی اور خدا پرست انسان تھے لہذا دین و مذہب کی چھاپ سارے گھر پر تھی اور میں بھی اس اثر سے بری نہ تھا۔ والد بزرگوار فارسی و سنسکرت کے اچھے عالم اور ہندی یا اردو کا کہنا ہی کیا تھا سادھو سنتوں کی آمد و رفت گھر پر رہتی ایک طرف تو بھجن و گیت گوندکی منڈلی جمتی تھی تو دوسری طرف شعر و شاعری کی بھی محفلیں سجتی تھیں نشستوں کا پابند معیار تہذیب ہوتا تھا خصوصی طور پر ان کا لگاؤ اردو زبان سے زیادہ تھا۔ وکالت و زمینداری کا سارا کام ہمارے یہاں اردو زبان میں ہی ہوتا تھا۔ والد بزرگوار خود تو شاعر نہیں تھے لیکن طبیعت شاعرانہ پائی تھی مذہبی کتابوں کا پاٹھ نہایت عمدہ ترنم سے کرتے تھے اور اسی طرح غزلیں و نظمیں بھی بڑے ترنم کے ساتھ ہم لوگوں کو سناتے تھے ان کی آواز میں ایسی دلکشی تھی کہ اُن کی زبان سے کچھ سننے کے لئے طبیعت دلدادہ رہتی تھی۔ اسی فضا کے اندر ہماری تعلیم و تربیت کا آغاز اردو و فارسی کی تعلیم مولوی صاحب نے شروع کی۔ اس ماحول کا مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میری طبیعت بچپن سے ہی شعر و شاعری کی طرف راغب ہونے لگی۔ رفتہ رفتہ جب وقت کا کارواں کچھ سفر طے کر چکا اور میں انگریزی اسکول کے درجہ سات میں پہنچا تو اردو و فارسی میں میری رجحان اور زیادہ ہوئی اور میں نے تعلیم کے آخر تک ان کا دامن نہ چھوڑا۔ اُسی سال میرے اسکول میں ایک طرحی مشاعرہ منعقد ہوا۔ اس مشاعرے کا مصرع طرح حسب ذیل ہے۔

ع. سامنے رخ کے تیرے کیا مہہِ کامل آئے۔

میں نے بھی اس طرح پر طبع آزمائی کی اور ایک غزل لکھی جب میں نے یہ غزل مشاعرے میں پڑھی تو میری بے حد حوصلہ افزائی ہوئی۔ ظاہر ہے اس وقت میں کوئی شاعر نہیں تھا لہذا اس کامیابی پر بیحد خوشی ہوئی اور میرا حوصلہ بڑھا چونکہ یہ واقعہ غالباً ۱۹۳۰ء کے آس پاس کا تھا لہذا غزل تو اب یاد نہیں مگر مطلع آج بھی یاد ہے جو حسب ذیل ہے۔

ع ۔ وہ تو پُر داغ ہے کیا تیرے مقابل آئے
سامنے رُخ کے ترے کیا مہِ کامل آئے

غرضیکہ اس حوصلا افزائی کا یہ اثر ضرور ہوا کہ میری طبیعت شاعری کی طرف اور زیادہ راغب ہونے لگی۔ شعر لکھنا اور دوست و احباب کو سُنانا میرا موضوع بن گیا بس یہیں تک میری شاعری کی حد تھی۔ چونکہ ابھی تک کسی استاد فن سے سابقہ نہیں ہوا تھا لہٰذا میرے شعر نوح کی کشتی کے ان گڑھ تختوں کے مانند بے چوں و چرا تھے۔ کچھ دنوں بعد جب میں بسلسلۂ تعلیم گورکھپور سینٹ اینڈریوز کالج میں آیا تو وہاں کا ادبی ماحول اور اچھا ملا۔ گورکھپور ان دنوں شعر و شاعری کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اکثر مشاعرے ہوا کرتے تھے اور ملک کے شہرت یافتہ شعرائے کرام اپنے کلام اور شعر و سخن سے وہاں کی سرزمین کو لالہ زار اور شاداب کئے ہوئے تھے۔ جناب مجنوں صاحب گورکھپوری جو اب پاکستان جا چکے ہیں پروفیسر تھے۔ موصوف اپنے وقت کے مانے جانے ادیب و نقاد تھے ان کی بھی قربت حاصل ہوئی۔ میری دنیائے شعر و ادب کو کچھ اور روشنی ملی کچھ اور بزرگوں کا بھی کرم ملا جس سے میری طبیعت شعر و شاعری کی طرف اور مائل ہوئی اور میں قدم بہ قدم نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ منزل شعر و سخن کی طرف بڑھنے لگا۔ کچھ دنوں بعد اسی سلسلہ تعلیم کے دوران میں الہ آباد گیا وہاں مجھے اور وسیع ادبی دائرہ ملا۔ یہاں پر میرے ذوقِ تجسس نے زور مارا اور میری پہونچ مرحوم جناب سکھدیو پرشاد صاحب بسمل الہ آبادی تک ہو گئی میں نے ان کی بھی قربت حاصل کی۔ اب میں باقاعدہ شعری میدان میں اترا اور مشاعروں میں، شرکت کرنے لگا میری یہ بھی خوش نصیبی تھی کہ ابتدائی دور ہی میں مجھے بزرگان اردو ادب و شعرائے کرام سے بے حد حوصلہ افزائی ہوئی۔ محترم جناب رگھوپتی سہائے فراقؔ صاحب کا کلام سننے کو ملا جس سے میں بہت ہی متاثر ہوا۔ جناب فراقؔ کا نیاز بھی کئی بار حاصل ہوا مشاعروں میں اور بستی و گورکھپور و الہ آباد میں بھی۔ اس وقت میرا رابطہ مرحوم جگرؔ مرادآبادی سے بھی قائم ہوا۔ اُن کے کلام کا جادو میرے دل و دماغ پر ایسا ہوا کہ میں نے اپنا تخلص بھی جگرؔ ہی رکھ لیا۔ ان کے آخری دنوں میں میں ان کو معالج کی حیثیت سے بھی دیکھ آیا تھا۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں مجھ پر اور شعرائے کرام کا اثر نہیں ہوا۔ سب سے زیادہ میں مرزا غالب سے متاثر تھا اور آج بھی ہوں لیکن علامہ اقبالؔ، میر تقی میرؔ، برج نرائن

چکبست کا بھی اثر میرے ذہن پر خوب ہے۔ رفتہ رفتہ میرا ذوق شعر و سخن پروان چڑھنے لگا اور میں شعری دنیا سے منسلک ہو گیا۔ شاعری میں اپنی قلبی تسکین کے لئے کرتا ہوں۔ میرے جذبات و احساسات کا یہ مشاہدہ ہے ہاں کبھی کبھی دیگر باتیں بھی اس میں آجاتی ہیں اور اسی لئے میں اس کو صرف اپنے ہی تک محدود رکھتا تھا لہٰذا مجھے کبھی بھی اس لمبی مدّت میں اپنا مجموعہ کلام شائع کرانے کی بات نہیں سوجھی۔ لیکن ادھر ایک عرصہ سے میرے محبّان و بہی خواہان کا اصرار بسیار تھا کہ میرا یہ خیال غلط ہے کہ ادبی فن کو اپنے ہی تک محدود رکھا جائے۔ چنانچہ میں نے یہ مجموعہ کلام مرتب کیا اور نہایت ادب کے ساتھ اردو ادب کے لئے ادیبوں و شاعروں کے لئے احساس کمتری کے ساتھ پیش کر رہا ہوں۔ یہ مجموعہ کلام اردو ادب کی خدمت میں ایک چھوٹا سا ہی پھول سہی حاضر ہے لوگ قبول فرمائیں گے یہاں پر اس کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے اس مجموعہ کلام کو مرتب کرنے کے لئے میرے قریبی دوست جناب ڈاکٹر اختر بستوی گورکھپور یونیورسٹی جو ایک اچھے شاعر اور پر خلوص انسان ہیں ان کا اصرار خاص کر قابل ذکر ہے۔ انھوں نے میرے کلام کو اردو ادب کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے آسمان سر پر اٹھا لیا اور مجموعہ مرتب کرا کر ہی چھوڑا۔ دوسری شخصیت جس نے میری بے حد حوصلہ افزائی کی اور مجموعہ کلام مرتب کرنے کیلئے رات دن میرے پیچھے پڑے رہے وہ اس ضلع کی ایک بہت نمایاں ادبی و نیز ہمہ گیر شخصیت نہایت نیک دل و پُر خلوص انسان جناب قاضی محمد عدیل عباسی صاحب ایڈوکیٹ تھے۔ انھیں کا پیش لفظ اس کتاب میں شامل ہے۔ قاضی عدیل صاحب ایک فرشتہ صفت۔ پرہیزگار و نیک انسان تھے انھوں نے میری بے حد حوصلہ افزائی کی ہے۔

اس سلسلہ میں میرے محبان کی ایک لمبی فہرست ہے جن سے کسی نہ کسی طرح مجھکو اس کام کے لئے حوصلہ افزائی ہوئی ہے جن سب کا بیان یہاں تنگئ اوقات ممکن نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن پھر بھی کچھ محبان کا نام لینا اپنی قلبی تسکین سمجھتا ہوں۔ جناب افتخار علی عزیز، بھائی نکل آتما ہی پدم شری، جناب محمد نذیر صدیقی صاحب بمبئی، احمد حسن صبوحی، مولانا مجیب بستوی۔ بابو تارا شنکر ناشاد کا ذکر خاص ہے ان شاعروں و ادیبوں کے علاوہ چند اسی مقام پر اور مخلص صاحبان کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں جن کا بھی تعاون مجھے دستیاب ہوا جناب ودیا پرکاش سرور تونسوی، ایڈیٹر شان ہند ماہانہ دہلی، جناب جگدیش مہتا درد ایڈیٹر حقیقت۔ بیانی دہلی، ایم عالم صاحب ایڈیٹر فلم سنسار بمبئی کا نام نامی قابل ذکر ہے۔ جس میں جناب سرور تونسوی صاحب

نے اس سلسلے میں میری بیحد مدد کی ہے۔ یہیں پر کچھ نام اپنے محبان کا لینا اپنا فرض سمجھتا ہوں جن کی حوصلہ افزائی کی بدولت یہ مجموعہ کلام پایۂ تکمیل تک پہنچا۔ جن میں قاضی ارشد بابو ہریش چندر رودرا ایڈوکیٹ، بابو بنکا پرشاد سرپوا استو، ملک رحم اللہ و ملک منت اللہ کا ذکر بھی ضروری ہے۔ میں ان تمام اشخاص کا بے حد مشکور ہوں۔ اس سلسلہ میں کچھ نام اور جوڑنا چاہتا ہوں جن کا ذکر مجھے یہاں نہیں کرنا چاہیئے لیکن ان کے بغیر میری کاوشوں کی داستان ادھوری رہ جائے گی اور حقیقت سے گریز کرنا فرض کا خون کرنا ہے۔ میرے چھوٹے بھائی کنور رام شنکر گھمن کا ادبی ذوق بہت زیادہ ہے انھوں نے اس مجموعہ کلام کی مرتب و ترتیب میں میری کافی مدد کی اور میرے سب سے چھوٹے بھائی سمترا نندن ایڈوکیٹ جو فوجداری کے بڑے وکیل ہیں اردو ادب کے سودائی ہیں ان کی کوششوں کی وجہ سے یہ کلام کتابی شکل میں آسکا اور میرے بہنوئی سری پریم موہن سریواستو کمشنر انکم ٹیکس کی کوششوں اور نیک ہدایات کے بموجب یہ مجموعہ کلام منظر عام پر آسکا۔

اب سب سے آخر میں میں اس بات کا تذکرہ کر دوں جو میری شاعری کی دنیا میں آنے کی پہلی کڑی ہے اور جس جذبہ کے تحت میں نے اپنا مجموعہ کلام مرتب کیا۔ اور دوستوں کا اصرار بر آمد کار ہوا میری شادی سنہ ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔ یہ میری پہلی بیوی تھیں جو ایک فرشتہ صفت ہندوستانی معاشرت کی عورت بڑی خوبیوں کی ملکہ تھیں۔ نہایت نیک طبع دین و مذہب میں عقیدت رکھنے والی۔ پڑھی لکھی اور تہذیب و تمدن کی مجسمہ تھیں۔ مجھ کو ان سے بے حد محبت و لگاؤ تھا ہم دونوں کی زندگی خوشحال تھی۔ مگر یہ خوشحالی قائم نہ رہ سکی وہ مہلک بیماریوں میں مبتلا تھیں اور رفتہ رفتہ ہر کوشش و علاج ناکام ہوتا گیا۔ مگر فلک کج رفتار سے میری یہ خوشی نہ دیکھی گئی انجام کار وہ منحوس و ہیبت ناک گھڑی آ ہی گئی جب سنہ ۱۹۳۸ء میں بمقام گورکھپور وہ ہمیں تنہا چھوڑ کر جنت کی آغوش میں چلی گئیں۔ میرے پیر تلے زمین نکل گئی اور مجھ پر گویا مصیبت ٹوٹ پڑا۔ ہر سمت اندھیرا ہی اندھیرا نظر آنے لگا اور میں کہیں کا نہ رہا۔ اس مصیبت ناگہاں کے لئے نہ تو میں تیار تھا اور نہ اس وقت میری سن ہی ایسی تھی کہ اتنی بڑی چوٹ برداشت کر لیتا میری زندگی میں یہ ایک ایسا ہولناک طوفان آیا جس نے میرے دل و دماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ دن گذرتے گئے مگر اس چوٹ کی تکلیف سے نجات کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ زندگی اک بوجھ بن گئی۔ آخر کار

تلاش سکون کے لئے میں نے اپنی شاعری کا دامن پکڑا اور آج تک اُسی تلاش سکون میں ہوں۔ بد قسمتی سے میری پہلی بیوی کی کوئی تصویر دستیاب نہیں ہے اس لئے میں اس مجموعہ کلام میں نہ دے سکا ان کی ذات سے اس وقت ایک دو سال کا بچہ تھا جس کا نام کرشن مُراری سریواستو ہے خدا کے فضل سے اب وہ ایڈوکیٹ ہے جس کو دیکھ کر یادِ ماضی قائم کئے ہوں۔

لہٰذا

میں اپنا یہ مجموعہ کلام "نغمہ نور" اپنی پہلی بیوی شریمتی گلزار دیوی سریواستو کے نام نامی بطور نذرانۂ عقیدت منسوب اور انھیں کی یادگار میں اردو ادب کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور اپنی خامیوں کی معافی چاہتا ہوں اس مجموعہ کلام "نغمہ نور" کی شروعات بھی اپنی بیوی گلزار دیوی سریواستو کے نوحہ سے کیا ہے

زد پہ ہوائے مرگ کی شمعِ حیات ہے
دردِ نہاں بتا کہ ابھی کتنی رات ہے

نیازمند

ڈاکٹر ہنومان پرشاد سریواستو جگر (بستوی)

پچورا کوٹھی ۔ کامتا پرشاد مارگ

ضلع بستی (یوپی)

نوحہ بر وفات زوجہ خاکسار ۱۹۳۶ء

یہ ہے خطا بصر کی سمجھیں جو آسماں ہے ... دیکھو مری فغاں کا چھایا ہوا دھواں ہے

گلشن کو میرے لوٹا پھر آشیانہ چھینا ... مرضی بھی اب بتا دے کیا تیری باغباں ہے

تارِ نفس جو ٹوٹا نغمے ہوئے پریشاں ... وہ راگ اب کہاں ہے آواز وہ کہاں ہے

جو ایک[۱] حرف آگے گلزار کے بڑھا دو ... جس پر لکھا ہے نوحہ وہ نام بھی عیاں ہے

جس دل میں تھیں بہاریں وہ ہے خزاں کا مسکن ... پہلے جگر جگر تھا باقی وہ اب کہاں ہے

نوٹ :۔ ۱ ایک حرف پڑھنے میں ی کا حرف ہوتا ہے :

۲۔ گلزار کے آگے ی لگا دیں نام معلوم ہو جائے گا۔

غزل

نہ ہوتا حسن کا جلوہ تو دیوانے کہاں جاتے
نہ ہوتی شمع جو روشن تو پروانے کہاں جاتے

نگاہِ ناز کی وہ شوخیاں کہئے جو کام آئیں
نہیں تو ہم بھی اپنے دِل کو بہلانے کہاں جاتے

نہ کھوتا ہوش تیرے روبرو ساقی تو کیا کرتا
تیری محفل میں ہم بھی ورنہ پہچانے کہاں جاتے

بہت گذرے ہیں دِل والے تیرے کوچے سے اے دلبر
دِل ناداں کو ہم بھی اور بہکانے کہاں جاتے

جگر کو دیکھ کر ہم مشربوں نے اوک میں پی لی
بھلا یہ رِند آب پیمانے ڈھلوانے کہاں جاتے

چلے آتے ہیں کوئے یار میں کوئی کشش تو ہے
یہ روداد محبت دل کو سمجھانے کہاں جاتے

پریشاں گیسوؤں والے تو ہو جاتے پریشان ہیں
نہ ہوتے ہم تو وہ ظالم ستم ڈھانے کہاں جاتے

خدا کا شکر ہے اس شوخ کے دِل میں سمائے ہیں
جگر کے ورنہ یہ منظوم افسانے کہاں جاتے

غزلیات

میکدے کی طرف جو بڑھائے قدم زندگی جھوم کر ساتھ چلنے لگی
میرے ساقی تو لبریز پیمانہ کر اب تو نیت بھی اپنی بدلنے لگی

اِک نگاہِ کرم کی جھلک جو پڑی زندگی وجد میں آ گئی سر بسر
اَب رہیں گے مرے ساتھ وہ عمر بھر اتنا سوچا جوانی مچلنے لگی

ایک ہی گھونٹ میں ہائے کیا ہو گیا تیرے ساغر میں بادہ تھی جادو نہ تھا
تازگی کے عوض تشنگی بڑھ گئی روشنی تیرگی میں بدلنے لگی

یاد ہو یا نہ ہو بات گزری ہوئی جب نظر بھر کے دیکھا تھا تم نے مجھے
عشق کی آگ دِل میں لگی اس گھڑی ہوش رخصت ہوا روح جلنے لگی

ڈھونڈتے تھے وہ چاروں طرف بے خبر جیسے کھویا گیا ان کا نادر گہر
دشت سے پھر جو بستی میں آیا جگر بزم خوباں خوشی سے اچھلنے لگی

پہلے جو ہم نوا تھے وہ بدلے ہیں آجکل — جو لوگ باوفا تھے وہ بدلے ہیں آج کل
گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے یہ جہاں — دیں دار با خدا تھے وہ بدلے ہیں آج کل
اپنا تو ہے یہ حال کہ سب کچھ لٹا دیا — ہاں ہم سے جو خفا تھے وہ بدلے ہیں آج کل
اس دورِ انقلاب میں انسان مٹ گیا — جو لوگ پارسا تھے وہ بدلے ہیں آج کل

جن سے تھا کچھ لگاؤ جگر وہ خلاف ہیں
جو پہلے حق نما تھے وہ بدلے ہیں آج کل

محبت کی حقیقت کو کوئی انسان کیا جانے
جہاں ہو شمع روشن خود چلے آتے ہیں پروانے

نگاہِ ناز کی اُن شوخیوں کا ہے خدا حافظ
جدھر اُٹھتی ہے یہ آتے ہیں دیوانے ہی دیوانے

جگر میں غم کے شعلے اُڑ رہے ہیں یاد میں اس کی
کسی کی بیقراری کو وہ جانِ عشق کیا جانے

یہ وہ دشوار منزل ہے کوئی پہنچے گا شاید ہی
گذرنے کو تو گذرے ہیں اِدھر سے کتنے مستانے

کہا جب لادوا سب نے مریضانِ محبت کو
بنا خود چارہ گر ساقی ہوئے آباد مے خانے

اُٹھا وہ جام اے ساقی جو ہو لبریز سر مستی
پلا دے آج جی بھر کر کہ بعد اس کے خدا جانے

حسنِ ساقی سے ہر دل بہلتا رہے
دورِ ساغر با الطاف چلتا رہے

غنچے ناچیں گائیں کلیلیں کریں
بزم میں جام پر جام چلتا رہے

سامنے حسن ہو ہاتھ میں جام ہو
موت کا بھی ارادہ بدلتا رہے

بھول کر بھی جو چشمِ کرم ہو اِدھر
حال بیمار کا بھی سنبھلتا رہے

آرزو دل میں ہو آپ ہوں روبرو
سانس رُکتی رہے دم نکلتا رہے

ہم نہ بدلیں گے انداز اپنا جگر
آپ بدلیں زمانہ بدلتا رہے

غزل

مجھے پھر وہ دردِ نہاں یاد آیا — غمِ دل کو دورِ تپاں یاد آیا
زمانے کی رنگیں فضاؤں سے بچکر — جو نکلے تو پچھلا سماں یاد آیا
میرے پاس آکر وہ بولے کہ کیا ہے — بھلا ایسے میں کچھ کہاں یاد آیا
نشیمن جلے تو بہت دن ہوئے ہیں — پھر آج کیوں وہ دھواں یاد آیا
یہاں سے چلے مستیں ساتھ لیکر — تو راہِ عدم میں جہاں یاد آیا
جگرؔ قاف پر چند پریاں جو دیکھیں — ہمیں حسنِ ہندوستان یاد آیا

غزل

خلوت میں کون میری مستِ خرام آیا — رقصاں ہوئیں بہاریں گردش میں جام آیا
ہمت نے ساتھ چھوڑا رہبر نہ کام آیا — یارب رہِ وفا میں یہ کیا مقام آیا
گلشن کا غنچہ غنچہ شاداب ہوگیا ہے — یہ کون عشرتوں کا لیکر پیام آیا!
کب غیر کا فسانہ آیا میری زبان پر — بس تیرا ذکر آیا بس تیرا نام آیا

اب تو جگرؔ کسی سے الفت نہیں کسی کو
کیسا زمانہ آیا کیسا نظام آیا!!

غزل

آرزوئیں ہماری جواں ہوگئیں
اب تو پہلو میں اِک نازنین چاہیئے
جام و مینا کی ساقی ضرورت نہیں
اب تو خلدِ نظر ہم نشیں چاہیئے

آج تو بھر دے ساقی میرے جام کو اور مستی نظر کی ملا دے ذرا
تیری آنکھوں سے دن رات پیتا رہوں مجھ کو اس کے سوا کچھ نہیں چاہیئے
ہم کو آرام کی کوئی خواہش نہیں اپنی قسمت میں لکھے ہیں رنج و محن
چاہتے ہیں کہ ہو جائیں پامال ہم ان کا کوئی کرم اب نہیں چاہیئے
آرزو دل میں ہے تجھکو دیکھا کریں اور جلوؤں میں ڈوبے رہیں رات دن
ہو جو دیدار تیرا میسر ہمیں پھر تو خلدِ بریں بھی نہیں چاہیے
غم کا آتشکدہ ہو نہ ٹھنڈا کبھی ہم کو جلنے دو دن رات اسمیں یہیں
آگ میں تپ کے ہوتا ہے کندن بشر میری آنکھوں کو پانی نہیں چاہیئے
کیوں نظر پھیر لی دیکھتے ہی مجھے آپ سے آپ اُٹھ کر چلا جاؤں گا
میں تو اے دوست خوش ہوں رضا میں تیری محفلِ ناز مجھکو نہیں چاہیئے
راہِ عصیاں میں چلتا رہا عمر بھر کارواں زندگی کا نہ ٹھہرا کہیں
اب ارادہ ہے ملکِ عدم کا جگر منہ چھپانے کو دو گز زمین چاہیئے

غزل

کبھی جب پارسا ہو گئے تو پیمانوں کا کیا ہو گا
خدا جانے کہ اُس عالم میں میخانوں کا کیا ہو گا

شہادت کو جو آئے ہیں انہیں جی سے گذرنے دو
اگر شمعیں بجھا ڈالیں تو پروانوں کا کیا ہو گا

میرے ہی دم سے قائم ہے بیابانوں میں یہ رونق
خدا جانے کہ میرے بعد ویرانوں کا کیا ہو گا

میری ہستی سے وابستہ ہیں زنجیروں کی جھنکاریں
کسے معلوم میرے بعد زندانوں کا کیا ہو گا

ہمیں اے ساقیٔ دوراں پلا دے آج بھر بھر کر
رہا خالی جو پیمانہ تو ارمانوں کا کیا ہو گا

نہ رونق ہے نہ رعنائی رُخِ فصلِ بہاراں پر
خزاں جب آ گئی تو ان گلستانوں کا کیا ہو گا

جگرؔ کیوں کر رہے گی آبرو افلاس کی میرے
یوں ہی آتے رہے پیہم تو مہمانوں کا کیا ہو گا

غزل

یہ نہیں دیکھا کبھی کیسے ملی کیسی ملی
ہم نے تو جی بھر کے پی جیسے ملی جیسی ملی

نوجوانی میں بُری اچھی کا کس کو خیال تھا
عُمر جب پینے کی تھی ہم پی گئے جیسی ملی

پی رہے ہیں پینے والے اور پیتے جائیں گے
فکر اے واعظ نہ کر کس کو کہاں کیسی ملی

ساقیٔ دوراں کا میخانہ تو ہے ایسا مقام
جس کو جیسی کی ضرورت تھی اُسے ویسی ملی

ہم تو پیتے ہیں کھلے بندوں جہاں میں اے جگرؔ
تو نے لیکن پی ہے چُپ کے سے جہاں جیسی ملی

غزل

خدا جانے ابھی بجلی کا کیا احسان باقی ہے
سبھی کچھ جل چکا لیکن، وہی ہیجان باقی ہے

غضب ہے تیری آنکھوں سے رواں ہو سیلِ اشک ایسے
ابھی تو داستانِ درد کا عنوان باقی ہے

خلوص و آدمیت کا جنازہ اُٹھ چکا کب کا
مگر اس حشر ساماں دور کا فرمان باقی ہے

ابھی سے آپ نے کیوں ٹھان لی ہے ترکِ اُلفت کی
ابھی کچھ قدریں باقی ہیں ابھی ایمان باقی ہے

تمہیں جو ظلم ڈھانے ہیں جگر پر شوق سے ڈھاؤ
جگر کو بھی تڑپنے کا ابھی ارمان باقی ہے



غزل

تیری محفل سے یوں تو میں بہت ہی سوگوار آیا
ستم کو بھی کرم سمجھا تو دل کو کچھ قرار آیا

سمجھا تھا کہ ان کے وعدے سب کہنے کے وعدے ہیں
مگر جب پھر ہوا وعدہ تو دل کو اعتبار آیا

ضرورت ساغرِ مے کی نہیں اے ساقیٔ محفل
تیری آنکھوں کی مستی دیکھ کر مجھ کو خمار آیا

تعلق ترک کرنیکا ارادہ جب کیا میں نے
خیال آیا تمہارا اور وہ بھی بار بار آیا

خزاں کے دور میں تو خاک ہی اُڑتی تھی گلشن میں
جگر فصلِ بہار آئی تو پھولوں پر نکھار آیا

غزل

زد پہ ہوائے مرگ کی شمع حیات ہے
دردِ نہاں بتا کہ ابھی کتنی رات ہے

اس دورِ اضطراب میں بیچارگی مری
شاید میرے گناہ کی شرحِ حیات ہے

ظاہر مرا وہی ہے جو باطن ہے اے ندیم
میری زبان کی بات میرے دل کی بات ہے

وہ اشک آکے جو سرِ مژگاں ٹھہر گیا
تصویرِ داستانِ مکمل حیات ہے

احساس مٹ چکا ہے میرے دل سے اے جگر
خوشیوں کی بات ہے نہ کوئی غم کی بات ہے



غزل

کچھ شام ہی سے آج طبیعت مچل گئی
اے حسن تیرے وعدے سے حالت بدل گئی

اب تک تو احتیاط سے ٹھہرا ہوا تھا درد
پھر بزمِ آرزو میں تیری بات چل گئی

جتنی بھی رونقیں ہیں ہمارے ہی دم سے ہیں
ہم آگئے تو میکدہ میں شمع جل گئی

چلتی کے سب حبیب تھے جتنے بھی تھے حبیب
مجھ پر پڑا جو وقت تو دنیا بدل گئی

جینے کی آس چھوڑ ہی بیٹھا تھا اے جگر
تم آگئے تو میری طبیعت سنبھل گئی

غزل

اُٹھائی رُخ سے اس نے جو نقاب آہستہ آہستہ
میرے دل کی ہوئی حالت خراب آہستہ آہستہ

ابھی آغازِ فصلِ گل ہوا ہے دیکھیے کیا ہو
خرد میں آرہا ہے انقلاب آہستہ آہستہ

بُرے دن رفتہ رفتہ ہی تو جائیں گے دلِ ناداں
چمن کا رنگ ہوگا لاجواب آہستہ آہستہ

تحمّل سے میں پیتا ہوں تحمل میرا شیوہ ہے
میرے ساغر سے چھلکے گی شراب آہستہ آہستہ

ابھی دِل کی لگی ہے ابتدائی دور میں داخل
غمِ الفت پر آئے گا شباب آہستہ آہستہ

جگؔر وہ تیر کے مانند پہنچا نامہ بر اُن تک
جو ہو کر بے جگر لایا جواب آہستہ آہستہ

غزل

میخچوں کو چھوڑ کر جب کوئی بت خانہ گیا
اس کے پیچھے دور تک اِک رِند مستانہ گیا

ناچتا تھا نشے میں گاتا تھا وہ جنّت کے گیت
ہوش کیا زاہد کو آیا لطفِ رندانہ گیا

میرے ساقی یہ روش ہے میزبانی کے خلاف
کیوں تیری محفل سے کوئی تشنہ دیوانہ گیا

شمع یوں جلتی تھی جیسے ہو کسی عاشق کا دِل
راز آخر کھُل گیا جب لَو پہ پروانہ گیا

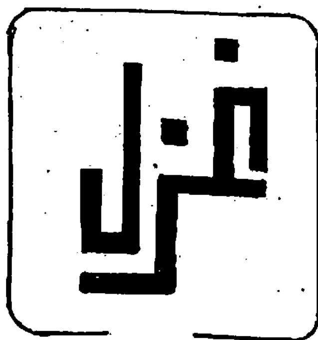
توڑ کر توبہ ندامت ہو تو کیوں ہوائے جگؔر
شیخ جی کے ساتھ میخانہ سے بت خانہ گیا

غزل

خرد والے ہی اکثر ایسے ذیبے کام کرتے ہیں
جنوں والوں کو ناحق آج کل بدنام کرتے ہیں

حسینوں کے ستم کی تو خبر تک بھی نہیں ہوتی
نہایت ہوشیاری سے یہ قتل عام کرتے ہیں

خدا جانے کہ یہ دُنیا کہاں اب جانیوالی ہے
خدا والے خدا کے نام کو بدنام کرتے ہیں



کئی بار ہم تو لُٹے دوستی میں
کئی بار ٹھوکر لگی زندگی میں

کئی بار میں نے قیامت کو دیکھا
گیا اتفاقاً جو اس کی گلی میں

گلوں کا تبسم کبھی برق خنداں
کئی رنگ پنہاں ہیں اسکی ہنسی میں

کبھی ہم سے وہ چھین کر لے گئے ہیں
کبھی ہم نے دل دیدیا بیخودی میں

وہ تیور نہیں اب کے ان کی جبیں پر
نئی بات اس بار ہے برہمی میں

بہت یوں تو ساقی نے مجھ کو پلائی
مگر فرق آیا نہ کچھ تشنگی میں

اُسی نے ہمارا نشیمن جلایا
جسے اپنا سمجھا جگر دوستی میں

غزل

دِل میں ہے آباد اِک دنیا نئے ارمان کی
کِھل کھلاتی ہے قضا اس شان پر انسان کی

ہوتی ہے لازم بہارِ زندگی نذرِ خزاں
اک سراب خواب سمجھو زندگی انسان کی

کج کلاہانِ بہاراں آج ہیں نا آشنا
کل بھرے گلشن کی صورت ہوگی ریگستان کی

وہ تو کہیئے آج بھی زنجیریں جھنکار رہے
ورنہ کس کو یاد دیوانوں کی یا زندان کی

مٹ نہیں سکتا جنونِ عشق بھی بعدِ فنا
مٹ نہیں سکتی یہ خصلت تا ابد انسان کی

کیا غضب کے حوصلے ہیں عاشقِ جاں باز کے
اِک ادائے دِل رُبا پر زندگی قربان کی

فکر اے واعظ نہ کر پیوست رنگِ خوں میں ہے
ترکِ مے ہم سے نہ ہوگی بات ہے ایمان کی

حُسن نے روزِ ازل ایسی پلائی اے جگر
تو اَمر ہے بیخودی میں کہ اُٹھا ایمان کی

غزل

جہاں میں ہوں وہاں اب رہبرِ منزل نہیں ملتا
سفینہ پھنس گیا گرداب میں ساحل نہیں ملتا

یہاں سازِ پریشاں پر ہے سوزِ نغمۂ دوراں
بفرطِ سوز و ساز اکثر سکونِ دل نہیں ملتا

یہ بزمِ غم گساراں ہے یہاں افسانۂ غم ہے
یہاں اک دردِ دل ملتا ہے کچھ فاضل نہیں ملتا

ترے در کی جبیں ساقی میں ساری زندگی گذری
مگر قسمت کو کیا کہیئے کہ دِل سے دل نہیں ملتا

وہ کہتے ہیں بہت پھرتے ہیں بسمل نام کے شاعر
جگر سا بے جگر تشنہ کام تو بسمل نہیں ملتا

جگر بے تابئ دِل کا گلہ تھا ہجر میں کل تک
وہ آج آئے تو مجھ کو بے خودی میں دل نہیں ملتا

ابھی میرے دل میں دھواں اور بھی ہے
ابھی عشق کی داستاں اور بھی ہے

یہیں تو نہیں ختم تخلیق اس کی
ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے

ابھی اور کانٹے چبھیں گے جگر میں
ابھی ظلم کا کارواں اور بھی ہے

میرا گھر جلا کر یہ پوچھا کسی نے
چمن میں کوئی آشیاں اور بھی ہے

یہیں تو نہیں رہ گئے شور و غوغا
جگر طرزِ آہ و فغاں اور بھی ہے

غزل

یاد آئی بعد مدت بزمِ میخانہ مجھے
حُسنِ ساقی پھر بنا ڈالے نہ دیوانہ مجھے

زندگی کیا ہے فقط دو روز کی جھوٹی بہار
زندگی معلوم ہوتی ہے اِک افسانہ مجھے

زندگی بھر کے لئے دیوانگی منظور ہے
ایک دِن اُلفت سے کہدیں آپ دیوانہ مجھے

اُف وہ رخصت کیا ہوئی سب رونقیں جاتی رہیں
اب تو ویرانے سے بھی بدتر ہے کاشانہ مجھے

گھر سے تو نکلا تھا کعبہ کا ارادہ لے کے میں
تشنہ کامی لے چلی ہاں سوئے میخانہ مجھے

اَب تیری محفل سے مجھ کو کوئی مطلب ہی نہیں
آگیا اے دوست اَب تو راس میخانہ مجھے

اہلِ وحشت تو سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں جگر
ہوش والوں نے سمجھ رکھا ہے دیوانہ مجھے

غزل

شبِ فرقت میں گھبرا کر جو تیرا نام لیتے ہیں
وہی رحم و کرم کا بڑھ کے دامن تھام لیتے ہیں

ابھی تک خیر تھی مقتل میں خنجر ہاتھ میں تو تھا
مگر اب تو نگاہوں سے وہ یہ بھی کام لیتے ہیں

گلوں میں رنگ و بو تو ہیں مگر کچھ بے تعلق سے
یہ کانٹے ان سے اچھے ہیں جو دامن تھام لیتے ہیں

میں گذرا جس گلی کوچے سے صحرا سے بیاباں سے
مجھے دیوانہ کہتے ہیں تمہارا نام لیتے ہیں

بڑے قسمت کے مے نوشوں میں ایسے بھی تو ہیں اکثر
تیرے دستِ حنائی سے جو ساغر تھام لیتے ہیں

اِدھر دیکھو کہ میرے حصے کی تلچھٹ ہی آئی ہے
جو ساقی کی نظر میں ہیں وہ بھر بھر جام لیتے ہیں

تمہیں اس کی خبر کیا ہے کہ دیوانے پہ کیا گذری
فرشتے حالِ دل سُن کر کلیجہ تھام لیتے ہیں

لبوں پر مہرِ خاموشی ہے دل میں رازِ محجوبی
زباں ہم بند رکھتے ہیں زباں کو تھام لیتے ہیں

چھپا کر رازِ دل ہم نے قیامت مول لے لی ہے
قیامت ڈھلنے والے کا مگر ہم نام لیتے ہیں

زمانہ کہتا ہے وہ بے نیازِ عشق ہے یکسر
جگرؔ لیکن اسی کا نام صبح و شام لیتے ہیں

غزل

آتے آتے میکشوں کا صبر کام آ ہی گیا
دورِ مے چلنے لگا گردش میں جام آ ہی گیا

ہم نے چاہا تھا کہ دل میں راز بن کر وہ رہیں
وجد کے عالم میں لب پر ان کا نام آ ہی گیا

بڑھتے بڑھتے بیخودی اپنی حدوں سے بڑھ گئی
رفتہ رفتہ ہوش کھونے کا مقام آ ہی گیا

موت کے آگے بھلا کس کی یہاں پر ہے چلی
سرکشوں کے واسطے آخر پیام آ ہی گیا

یہ میری تقدیر تھی یا تشنہ کامی کا اثر
سامنے میرے کوئی بادہ بہ جام آ ہی گیا

کھل نہ جائے ساقیٔ دوراں کہیں تیرا بھرم
اب یہ محفل میں جگرؔ سا تشنہ کام آ ہی گیا

غزل

شروعِ عشق ہی میں کس طرح گھبرائے جاتے ہیں
نگاہیں ملنے سے پہلے ہی وہ شرمائے جاتے ہیں

گلستاں میں نسیم آئی ہے یہ کیسی تپش لے کر
بہاروں کے زمانے میں بھی گل مرجھائے جاتے ہیں

یہ ہنستی کھیلتی کلیوں کی مستی کیا ہوئی یارب
صبا کی گود میں نازک بدن کمھلاتے جاتے ہیں

مہک گل سے گئی رونق گلستاں سے ہوئی رخصت
ہمارے آشیانے بھی کہاں اب پائے جاتے ہیں

تجھے عندلیبِ زار یہ سوجھی ہے کیا اب کے
خوشی کے وقت بھی غم کے ترانے گائے جاتے ہیں

صبا کی ٹھنڈی لہروں میں حرارت ہے شراروں کی
بہاروں میں خزاں کے رنگ ہر سو پائے جاتے ہیں

رہیں خاموش تو ہم موردِ الزامِ خاموشی
زباں کھولیں تو صحبت میں مجرم ہو کے لا جاتے ہیں

بہاروں نے یہ کیا طرفہ قیامت ڈھائی ہے اب کے
عوض پھولوں کے ہر جانب شرارے پائے جاتے ہیں
کہاں ہیں وہ ضیائیں جن سے ظلمت خوف کھاتی تھی
یہاں تو دن میں بھی ہر سو اندھیرے پائے جاتے ہیں
جگر یہ دو ہی دن میں کس قدر تبدیلیاں آئیں
جو کل تک دوست تھے وہ آج خود کترائے جاتے ہیں

غزل

سجھاتے کیا گلوں کی انجمن کو
چمن والوں نے خود لوٹا چمن کو
غضب کی چاندنی چھٹکی ہوئی ہے
چھپا لو اپنے اس سیمیں بدن کو
گلوں کی چاہ میں کانٹوں سے بچنا
کہیں زخمی نہ کر دیں پیرہن کو
سبھی اپنے پرائے ہو گئے ہیں
ہوا کیا ہے زمانے کی چلن کو
نہ آئی راس مر کر بھی یہ دنیا
ترستے رہ گئے ہم تو کفن کو
جہاں کانٹے ہی کانٹے ہوں میسر
جلا کر خاک کر دو اس چمن کو
جگر الفت نے داغِ غم وہ بخشے
گلستاں کر دیا سارے بدن کو

غزل

نظر بدلے اگر ساقی تو پیمانے بدل ڈالو
رہے جو تشنگی باقی تو میخانے بدل ڈالو
ہماری حسرتیں پامال ہی ہوتی رہیں جن سے
وہ پوجا گھر تو نقلی ہیں وہ بت خانے بدل ڈالو
میرے سجدے مسلسل رائیگاں ہوتے رہے اب تک
صنم سب ہو گئے پتھر صنم خانے بدل ڈالو
وہی گذری ہوئی باتیں وہی تمہید آرائی
جو ہیں فرسودہ افسانے وہ افسانے بدل ڈالو
جہاں فرقہ پرستی ہو جہاں مطلب پرستی ہو
وہ زندانوں سے بدتر ہیں وہ غم خانے بدل ڈالو

جو رہبر ہی بنے ڈاکو اسے پھر ساتھ کیوں رکھیں
جو اپنوں میں ہیں بیگانے وہ بیگانے بدل ڈالو

حواس و ہوش سے بیگانے ہی ہوتے ہیں دیوانے
غرض کے ہوں جو دیوانے وہ دیوانے بدل ڈالو

سما جائیں نہ لَو پر شمع کی وہ کب ہیں پروانے
ہوس کے ہوں جو پروانے وہ پروانے بدل ڈالو

ستم گاروں کے نرغے میں تو جینا ہے جگر مشکل
ستم سہنے سے بہتر ہے ستم خانے بدل ڈالو

غزل

محتاجوں کے جینے کا ساماں نہیں ہوتا
دُنیا میں غریبوں کا بھگوان نہیں ہوتا

کپڑا نہ میسّر ہو جس کو نہ ملے روٹی
جینے کا کوئی اس کے سامان نہیں ہوتا

اشکوں سے لگی دِل کی اے دوست بھڑکتی ہے
شعلوں کو دبانا۔ کچھ آسان نہیں ہوتا

جو ننگِ محبت ہو اخلاق سے عاری ہو
وہ اور تو کچھ بھی ہو انسان نہیں ہوتا

یہ فرض ہے یاروں کا امداد کریں باہم
یاروں کا جگر کوئی احسان نہیں ہوتا

غزل

جب سے چھیڑی ہے کسی نے میرے میخانے کی بات
اب حرم والوں کو سوجھی اس طرف آنے کی بات

پھیر لیتے ہیں وہ رُخ آتے ہی میرے سامنے
شوق سے سُنتے ہیں لیکن اپنے دیوانے کی بات

دیکھ کر محفل میں مجھ کو مُسکرا کر رہ گئے
جب انھیں کچھ یاد آئی بھید کھل جانے کی بات

نرگسی آنکھوں کا جادو ہم بھی تو دیکھیں ذرا
یاد آئی جب انھیں وہ ہم سے شرمانے کی بات

نیند آنا تھی نہ آئی مجھ کو تیری یاد میں
ہو گئی یہ بات بالکل ایک دیوانے کی بات

بعد مرنے کے میرے ذکرِ ویرانہ کہاں
بھول بیٹھے گی یہ دنیا میرے ویرانے کی بات

وجد کے عالم میں آپ جانے ہیں کیا کیا بک گیا
جیسے دیوانہ کیا کرتا ہے دیوانے کی بات

سونی سونی سی فضا ہے اے جگرؔ تیرے بغیر
میکدے میں کون اب چھیڑے گا پیمانے کی بات

غزل

اِک ایک داغِ عشق نمایاں کئے ہوئے
آیا ہے کون ظلم کو عریاں کئے ہوئے

آنے پہ کس کی ہر طرف یہ دھوم دھام ہے
سارا چمن ہے جشن کا ساماں کئے ہوئے

یہ جشن یہ جمال یہ گیسو یہ رنگ و نور
ہے کون ساری بزم درخشاں کئے ہوئے

پھر کس سے اس نے آج یہ پردہ اُٹھا دیا
جیسے ہو کوئی صبح کا ساماں کئے ہوئے

ہائے وہ اشک جو سرِ مژگاں ٹھہر گیا
سوزِ جگر کا راز نمایاں کئے ہوئے

غزل

میں تیری محفل میں آ کر پی گیا
وجد کے عالم پہ چھا کر پی گیا

تیرے میخانے میں تیرا بادہ کش
تشنہ کامی کو بڑھا کر پی گیا

ساغر سے دے نہ دے ساقی مجھے
آنکھوں سے آنکھیں ملا کر پی گیا

ہائے وہ میکش جو بزمِ حسن میں
جان کر بازی لگا کر پی گیا

اے جگرؔ اُن کا اشارہ پاتے ہی
میں کھُلے بندوں اُٹھا کر پی گیا

غزل

جہاں ہمت نہ کام آئی جہاں رہبر نہ کام آیا — ہماری زندگی میں اک ایسا بھی مقام آیا
ترے لطف وکرم کی ہے ضرورت تو مجھے اب بھی — مرے کس کام کا ساقی اگر مرنے پہ جام آیا
بھلاؤں تو بھلاؤں کس طرح تو خود بتا مجھ کو — خیال آتے ہی لب پر بے ارادہ تیرا نام آیا
کوئی مشکل حقیقت میں کوئی مشکل نہیں ہرگز — ہمیں تو زندگی میں زندگی کا یوں پیام آیا

جگر وہ کون ہیں جن کو ملا ہے مژدۂ راحت
ہمیں تو زندگی بھر اپنے مرنے کا پیام آیا

غزل

زمانہ دیکھنے والو! زمانے کا چلن دیکھو — نئی تہذیب میں عکسِ روایاتِ کہن دیکھو
اٹھا کر آنکھ سے پردہ مٹا کر تیرگی دل سے — نظر آئے تو ماضی کے گلستاں کی پھبن دیکھو
نظر والو گلوں کے حسن میں حسنِ مجازی ہے — حقیقت دیکھنا ہے تو ہماری انجمن دیکھو
ہمارے بازوؤں میں جان بھی ہے ہم مگر چپ ہیں — نشیمن پھونکنے والو ہمارا بانکپن دیکھو
کوئی مجنوں نہیں تہذیب نو کا ہے یہ دیوانہ — ادھر آ کر کبھی اس کا بھی تو دیوانہ پن دیکھو
وفا کی راہ میں مٹ کر بھی یہ پیچھے نہیں ہٹتا — جنونِ عشق میں اپنے جگر کا بانکپن دیکھو

غزل

پارساؤں سے بھی کس انداز کی باتیں کرو — عاشقوں سے صرف حسن و ناز کی باتیں کرو
ہجر کی شب ہے نگاہِ ناز کی باتیں کرو — صبح ہونے تک اسی غم ساز کی باتیں کرو
وحشتِ دل اور بڑھنے دو ابھی کچھ رات ہے — صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو
مشکلیں آسان ہونگی ہاں اسی کے ذکر سے — زندگی جب تک ہے اسی دم ساز کی باتیں کرو

وقت شکووں کا کہاں ہے نزع کا عالم ہے یہ
اب میری بجھتی ہوئی آواز کی باتیں کرو

شورشِ دورِ جنوں میں اور ہنگامِ سکوت
بیخودی بڑھنے لگی کچھ راز کی باتیں کرو

وہ اسیرانِ چمن جن پر چلی ہیں قینچیاں
کر سکو تو ان کی بھی پرواز کی باتیں کرو

اے جگر پہلا سا اب وہ سوز آ سکتا نہیں
دورِ حاضر میں شکستِ ساز کی باتیں کرو

غزل

کچھ تیز ہے دل کی بیتابی آرام نہ جانے کب آئے
ان شوخ نشیلی آنکھوں کا پیغام نہ جانے کب آئے

ساقی نے پلانا عام کیا اِک لوٹ مچی میخانہ میں
رندوں کی دھینگا مستی میں اب جام نہ جانے کب آئے

برسوں سے جنوں کا عالم ہے برسوں سے تمنّا دید کی ہے
منزل پہ پہونچنے والا ہوں گلفام نہ جانے کب آئے

کشتی بھی شکستہ ہے میری طوفاں بھی ہے کچھ زوروں پر
ساحل پہ پہونچنے کا اب تو ہنگام نہ جانے کب آئے

جس صبح کو کہئے صبحِ طرب جس شام کو کہئے شامِ خوشی
وہ صبح نہ جانے کب آئے وہ شام نہ جانے کب آئے

کچھ فکر نہ کر اے جوشِ جنوں آغازِ محبت میں کیا ڈر
تو گیت خوشی کے گائے جا انجام نہ جانے کب آئے

پہلا سا جگر وہ سوز نہیں الفت میں نہیں وہ جذبِ طلب
اُکھڑی اُکھڑی اب سانسیں ہیں ہمنام نہ جانے کب آئے

غزل

دل میں داغوں کو شبِ ہجر جگائے رکھنا
رات اندھیری ہے ذرا شمعیں جلائے رکھنا

تیری زلفوں کی گھنی چھاؤں میں ہے دل کو سکوں
میرے محبوب مجھے دل میں بسائے رکھنا

آپ کی جھوٹی تسلّی سے بھی ملتا ہے سکوں
آگ پانی میں اسی طور لگائے رکھنا

غمِ محبوب میں یہ رُکنے نہ پائیں آنسو
دُرِّ نایاب ہیں پلکوں پہ سجائے رکھنا

عشق کی آگ جلا دیتی ہے ہستی کا چمن
عشق کی آگ سے دامن کو بچائے رکھنا

جام خالی ہے پر جام تو ہے اے ساقی
چاہتا ہوں اِسے ہونٹوں سے لگائے رکھنا

لیکے آتا ہوں میں زاہد کو درِ کعبہ سے
دورِ بادہ سے میرے ساقی تو چلائے رکھنا

لوگ دیوانہ سمجھ کر تجھے اِیذا دیں گے
اے جگرؔ عشقِ کے جذبات دبائے رکھنا

غزل

چاندنی رات ہو چاند ہو سامنے۔ جانکنی کا مرے وقت ٹل جائیگا
ہاتھ میں جام ہو سامنے آپ ہوں موت کا بھی ارادہ بدل جائیگا

مدتیں ہو گئیں دِل کے آزار کو زندگی ڈوبتی جا رہی ہے مِری
اِک نظر ہو رحم کی اِدھر جو کبھی حال بیمار کا خود سنبھل جائیگا

رات بھی ڈھل گئی چاند بھی چھپ گیا مری دُنیا بھی تاریک ہونے لگی
پو پھٹی وہ فلک سے ستارے چلے تم نہ آئے میرا دم نِکل جائیگا

بسترِ مرگ پر بھی شبِ ہجر میں نام تیرا زباں پر تو آ ہی گیا
سانس رُکنے لگی لڑکھڑانے لگی اب تو میرا جنازہ نِکل جائیگا

ان کو پانی سمجھ کر نہ چھیڑیں مجھے اشک ہیں ان میں شامل ہے سوزِ جگر
آپ دامن کو اپنے بچائیں رہیں مرے اشکوں سے دامن ہی جَل جائیگا

غزل

یہ برقِ ستم یہ بحرِ آلم خطرے کا اشارہ کرتے ہیں
طوفان بلا میں پھر بھی ہم کشتی کو اتارا کرتے ہیں

منجدھار میں تم نے چھوڑ دیا پتوار ہماری کشتی کا
جب ناؤ بھنور میں ہوتی ہے ہم تم کو پکارا کرتے ہیں

ساحل کے تماشائی اکثر کرتے ہی نہیں امداد کوئی
ہاں ڈوبنے والے بیکس کو ساحل سے پکارا کرتے ہیں

کل تک جو ہماری منزل تھی اُف آج ہے غیروں کی منزل
اے جانِ وفا اس دنیا سے اب ہم بھی کنارہ کرتے ہیں

جب ہائے نشیمن پھونک دیا تو اس کو بچانے کون آیا
گلشن کی حدوں سے باہر ہم کانٹوں پہ گذارا کرتے ہیں

دو چار قدم تو ساتھ مری میت کے تمہیں بھی چلنا تھا
ایسے میں دشمن بھی اکثر تکلیف گوارہ کرتے ہیں

سرمست ہوا کے جھونکوں میں انداز بہاروں کا دیکھو
شبنم سے گلوں کے عارض کو وہ روز نکھارا کرتے ہیں

پیغام محبت کا دے کر آرام جگر کا چھین لیا
وہ تیری رضا کی خاطر ہی ہر بات گوارا کرتے ہیں

غزل

یہ میخانہ ہے اس میں کب کسی کا کام ہوتا ہے
جو بڑھ کر چھین لے ساقی اُسی کا جام ہوتا ہے

وہی مردِ مجاہد ہے جو گردش کی عناں موڑے
مصائب سے ٹکرائے اسی کا نام ہوتا ہے

پتنگے ہیں کہ اپنی آگ میں خود جلتے جاتے ہیں
زمانے بھر میں لیکن شمع ہی کا نام ہوتا ہے

بُرائی کرنے والوں کو نہیں شاید خبر اس کی
بُرائی کرنیوالوں کا بُرا انجام ہوتا ہے

وہ کافر ہے جو انساں کی بھلائی کر نہیں سکتا
وجود اس کا تو دنیا میں برائے نام ہوتا ہے

جگر یہ راہِ الفت ہے یہاں ڈرنا ہے کمزوری
یہاں آکر جو ڈرتا ہے وہی ناکام ہوتا ہے

غزل

عشق پران کا کرم ہو یہ ضروری تو نہیں
حُسن بے جور و ستم ہو یہ ضروری تو نہیں

عشق پر ظلم و ستم ہو یہ ضروری ہے مگر
حُسن مائل بہ کرم ہو یہ ضروری تو نہیں

اشک عاشق ہی کی آنکھوں میں ضروری ہیں مگر
چشمِ محبوب بھی نم ہو یہ ضروری تو نہیں

شمع کی شعلہ زبانی تو مسلّم ہے مگر
عشقِ پروانے میں کم ہو یہ ضروری تو نہیں

کوئے جاناں کیطرف بڑھتے گئے میرے قدم
راہ بر نقشِ قدم ہو یہ ضروری تو نہیں

حُسن ہو برقِ تجلّی جو سرِ طور تو کیا
شوقِ دیدار بھی کم ہو یہ ضروری تو نہیں

منزلِ عشق میں طوفانِ الم ہے لیکن
دِل کا طوفاں بھی کم ہو یہ ضروری تو نہیں

اور رندوں کیطرح رند نہیں میں ساقی
تشنگی اوروں سے کم ہو یہ ضروری تو نہیں

بادہ نوشوں کے لئے جام ضروری ہے مگر
پینے کو ساغرِ جم ہو یہ ضروری تو نہیں

غزل

ان شوخ نگاہوں کا اثر دیکھ رہا ہوں
ابھرا ہوا پھر زخم جگر دیکھ رہا ہوں

جذباتِ محبت کا اثر دیکھ رہا ہوں
جو حال ادھر ہے وہ اُدھر دیکھ رہا ہوں

وہ دیکھ رہے ہیں مری آہوں کا تماشہ
میں ان کی نگاہوں کا اثر دیکھ رہا ہوں

پہچانتا ہوں خوب تیرا وعدۂ ایفا
آنکھوں میں شرارت کا اثر دیکھ رہا ہوں

میں دیکھ رہا ہوں رُخِ زیبا پہ تجلّی
صورت میں تری شمس و قمر دیکھ رہا ہوں

اب چھپ نہ سکے گی مری بیتاب نگاہی
سب دیکھ رہے ہیں میں کدھر دیکھ رہا ہوں

اس آس پہ شاید کہ چمک جائے مقدّر
رہ رہ کے تری راہ گذر دیکھ رہا ہوں

کام آئی ہے آخر مری ناکام محبت
خود اوج پہ ہیں دردِ جگر دیکھ رہا ہوں

غزل

تنے ابرو ہیں ماتھے پر نمی معلوم ہوتی ہے
نگاہِ شوخ میں کچھ برہمی معلوم ہوتی ہے

مزاجِ یار میں تبدیلیوں سے یہ ہوا ظاہر
محبت میں اَب اُن کی کچھ کمی معلوم ہوتی ہے

میری آمد سے محفل میں نگاہیں جھک گئیں انکی
مگر تیغِ نظر پھر بھی تنی معلوم ہوتی ہے

قیامت ڈھائی یہ اُس نے شکستِ عہد و پیماں سے
دلِ بیتاب کی دھڑکن تھمی معلوم ہوتی ہے

مجھے بس قتل کرنا تھا کیا اس نے نگاہوں سے
مگر اب اُس کی آنکھوں میں نمی معلوم ہوتی ہے

ہٹا دو رخ سے پردہ بجلیاں کچھ اور گرنے دو
ابھی سوزِ جگر میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے

غزل

انداز بہاروں کا دل آویز بہت ہے
گلشن کی فضا اب کے جنوں خیز بہت ہے

دیوانو سفر کرنے کا ہنگام نہیں ہے
رک جاؤ کہ جنگل کی ہوا تیز بہت ہے

میں کھوج رہا ہوں تری زلفوں کی گھنی چھاؤں
ہے دھوپ کڑی اور تپش تیز بہت ہے

کچھ اور بگڑ جائے نہ مجروح کی حالت
ظالم کی ادا پہلے سے خونریز بہت ہے

اے شیخ اسی بادہ میں گھل جاتا ہے ایماں
وہ بادہ کہ جس بادہ سے پرہیز بہت ہے

سب ٹال گئے سن کے جگر شعلہ نوائی
شاید میرا انداز جنوں تیز بہت ہے

غزل

ان آنکھوں کی مستی نظاروں سے پوچھو
مری مے پرستی ستاروں سے پوچھو

بہت یاد آکر بھی آئے نہ دل میں
میرا حالِ دل غم کے ماروں سے پوچھو

جو بھٹکے ہوئے فرد ہیں کارواں کے
اب اُن کا پتہ ان غباروں سے پوچھو

بہا کر سفینہ کہاں لے گئے ہیں
مقدر کے اُن تیز دھاروں سے پوچھو

اسی موجِ دریا سے طوفاں اُٹھا تھا
پتہ کشتیوں کا کناروں سے پوچھو

چمن میں پتہ آشیانے کا میرے
یہ مجھ سے نہ پوچھو شراروں سے پوچھو

میرے ساتھ صیاد کی بے نیازی
اگر پوچھنا ہے بہاروں سے پوچھو

سرِ راہ کس کی یہ میت پڑی ہے
یہ منزل کے سب رہ گذاروں سے پوچھو

یہیں بس کہیں ہوگا گورِ غریباں
جگر کا پتہ ان مزاروں سے پوچھو

غزل

مدت ہوئی وہ رنج و محن بھول چکا ہوں
ایام کی گردش کا چلن بھول چکا ہوں

ایک حادثہ وقت تھا بربادیٔ گلشن
مدت ہوئی میں بوئے سمن بھول چکا ہوں

صیاد نہ کر ذکر بہاراں میرے آگے
میں ظلم کے سب چال چلن بھول چکا ہوں

کچھ یاد نہیں کب سے ہوں ویرانے میں آیا
کچھ یاد نہیں کب سے چمن بھول چکا ہوں

اس دور میں ہر فرد کا انداز نیا ہے
میں خود بھی روایاتِ کہن بھول چکا ہوں

شاعر ہوں مگر رنگِ غزل یاد نہیں کچھ
حتّٰی کہ میں اندازِ سخن بھول چکا ہوں

اس اوج پہ اب جوشِ جنوں کا ہے ستارہ
میں سوزِ جگر دِل کی جلن بھول چکا ہوں

غزل

خدا جانے مجھ سے وہ بیزار کیوں ہے
محبت میں حائل یہ دیوار کیوں ہے

مجھی سے محبت کا فتویٰ لیا تھا
مجھی سے محبت میں تکرار کیوں ہے

تجھے جب محبت نہیں مجھ سے کوئی
نگاہوں سے الفت کا اظہار کیوں ہے

وفا ہی تو کی ہے خطا تو نہیں کی
محبت ہماری سزاوار کیوں ہے

نہ ہوں میں وہ یوسف نہ تو وہ زلیخا
مگر پھر مرا تو خریدار کیوں ہے

بدلتا ہے لحظہ پہ لحظہ زمانہ
جہاں اس قدر تیز رفتار کیوں ہے

جگر بزمِ رنداں میں تفریق کیسی
مجھے جام دینے سے انکار کیوں ہے

غزل

ملتے رہے جو ولی کی طرح — اب ملے ہیں وہی اجنبی کی طرح
غم کی چھائی ہوئی ہیں نئی بدلیاں — میرے چاروں طرف تیرگی کی طرح
میرے دل کا سکوں میرے دل کی خوشی — لٹ گئی چاند کی چاندنی کی طرح
کیا یہ ممکن ہے تیری خدائی میں پھر — آدمی بھی چلے آدمی کی طرح
کیسی بدلی ہوئی ہے فضا یہ جگر — میرے چاروں طرف بے کسی کی طرح

غزل

سب ان سے محبت کی دعا مانگ رہے ہیں — ہم اپنے گناہوں کی سزا مانگ رہے ہیں
لے جائے کہیں دور نہ جذبات کی دنیا — جذبات کے عالم کی فضا مانگ رہے ہیں
جب تم تھے طلبگار وفا ہم نے وفا دی — اب وقت پڑا ہے تو وفا مانگ رہے ہیں
ممکن ہے تیرا قہر بھی راس آئے نہ ہم کو — ہم سوچ سمجھ کر ہی جفا مانگ رہے ہیں
اے کاش شب ہجر قضا آئے نہ آئے — اس واسطے پہلے سے قضا مانگ رہے ہیں
یہ ہاتھ اٹھے ہیں تو جبیں میری جھکی ہے — دیکھو تو جگر تم سے یہ کیا مانگ رہے ہیں

غزل

بات کچھ دیر و حرم کی ہو کہ میخانے کی ہو — زندگی کیسی بھی ہو لبریز پیمانے کی ہو
ان کی چشم مست میں وہ آتش تر ہو کہ خشک — وہ مرے کس کام کی جو دل کو تڑپانے کی ہو
زندگی کی ایک گھڑی بھاری ہے ساری عمر پر — زندگی کھونے کی ہو یا زندگی پانے کی ہو
مدتوں سے کر رہا ہوں میں تلاش زندگی — وہ تیرے کوچے کی ہو یا بحر و ویرانے کی ہو
بھول سکتا ہے جگر کیا داستاں ایسی کوئی — تیرے میخانے کی ہو یا تیرے دیوانے کی ہو

غزل

چارہ گروں کی باتیں ہیں بدحواس باتیں
اُکتا گیا ہے روگی سُن کر اُداس باتیں

پہونچائے کوئی ان تک یہ میری بات ہمدم
کہتے ہیں لوگ ان سے ایک سو پچاس باتیں

وہ آئیں یا نہ آئیں یہ سب سمجھ رہے ہیں
یہ بدحواس ہے خود ہیں بدحواس باتیں

بدظن کیا ہے مجھ سے ان کو بھی دوستوں نے
لیکن کہاں ہیں ان کی قابل قیاس باتیں

مینا بھی بولتا ہے طوطا بھی بولتا ہے
کہتے ہیں گھر کی ننگے وہ بے لباس باتیں

تن ہے اُداس میرا من ہے اداس میرا
چاروں طرف ہیں جاری خالی اُداس باتیں

جذبات پر جگر کے فرزانے کہہ رہے ہیں
دیوانہ کہہ اُٹھا ہے کچھ بے ہراس باتیں

سعدی کا چکا مہ یا ہے غزل جگر کی
آئی ہیں اس طرح کی کچھ میرے پاس باتیں

غزل

آلامِ روزگار سے گھبرائے ہوئے ہیں
ٹھہرو کہ کڑی دھوپ سے ہم آئے ہوئے ہیں

ناسور کلیجے میں ہے تو زخم جگر میں
چھیڑو نہ ہمیں تیر نظر کھائے ہوئے ہیں

دُنیا میں کسی سے بھی نہیں ہم کو عداوت
ہم لوگ محبت کی ہوا کھائے ہوئے ہیں

گلشن کی بہاروں سے غرض ہے نہیں ان کو
دیوانے جو صحرا کی ہوا کھائے ہوئے ہیں

شاید وہ کبھی سُن لے جگر کا بھی فسانہ
ہم دل کو اسی وہم میں بہلائے ہوئے ہیں

غزل

چرچا ظفر کا محفلِ اہلِ زباں میں ہے
حُبِّ وطن کا جوش دلِ ناتواں میں ہے

باتیں عذر کی آج بھی ہوتی ہیں ہر طرف
رفعت کا وہ چراغ بھی روشن جہاں میں ہے

حُبِّ وطن کا جوش تھا پیری میں شاہ کے
ہمت کا اس کی تذکرہ سارے جہاں میں ہے

لختِ جگر بھی شاہ نے قربان کر دیا
قربانیٔ عظیم کا شہرہ جہاں میں ہے

مرنے کے بعد بھی ہے وطن میں وجود شاہ
ابتک جو اس کا داغ دلِ دشمناں میں ہے

عبرت کا ہے مقام جگر شاہ کے لئے
دو گز زمیں کہیں بھی نہ ہندوستاں میں ہے

غزل

لوحِ دل پر نقش رنج و غم اُبھرتا جائے ہے
سینے میں اِک تیز خنجر روز اُترتا جائے

اس قدر عالم محبت کا سنورتا جائے
جس قدر شیرازۂ ہستی بکھرتا جائے ہے

چھیڑتا ہے دِل کو میرے آکے یوں اُن کا خیال
جیسے کوئی تیز تر نشتر اُترتا جائے ہے

اے دِل درد آشنا بیتاب ہے تو کس لئے
سوزِ غم سے زخمِ الفت تو نکھرتا جائے ہے

اے جگر دل میں کھلے جاتے ہیں پھر داغِ اَلم
اور بے تابی کا عالم پھر نکھرتا جائے ہے

غزل

دھوکے میں آکے اپنا ہی رہبر نہ ماریئے
دشمن سمجھ کے کوئی بھی بت گر نہ ماریئے

اپنی جبین شوق جنون خیز ہے مگر
اس کو خدا کے واسطے در در نہ ماریئے

ہر در ضرور در ہے عبادت کا در نہیں
ہر سنگِ در پہ آپ عبث سر نہ ماریئے

یہ شرطِ عدل ہے کہ ہو اِک تہائی رحم
نادم اگر ہو جرم پہ ٹھوکر نہ ماریئے

آیا ہے کون چاکِ گریباں ابھی اِدھر
دیوانہ ہے جگرؔ وہی پتھر نہ ماریئے

غزل

گلشن میں نشیمن ہے کہاں یاد نہیں کچھ
اَب تو مجھے خود اپنا نشاں یاد نہیں کچھ

اک حادثۂ وقت ہے بربادیٔ گلشن
بربادیٔ گلشن کا سماں یاد نہیں کچھ

خوش رنگ بہاروں کا سماں بھول چکا ہوں
گلزار کا وہ دورِ خزاں یاد نہیں کچھ

جتنے بھی ہوئے تیرے کرم یاد ہیں اب تک
جو ظلم ہوا مجھ پہ وہ ہاں۔ یاد نہیں کچھ

وہ مرثیہ خوانی جو کیا کرتے ہیں اکثر
ان کو بھی دستورِ فغاں یاد نہیں کچھ

وہ آئے ہیں کہنا بھی ہے رودادِ محبت
افسوس مجھے طرزِ بیاں یاد نہیں کچھ

اظہارِ غم و دردِ جگرؔ ہو بھی تو کیوں کر
کچھ یاد ہے تو طرزِ بیاں یاد نہیں کچھ

غزل

کچھ غمِ دل یوں ملا کچھ فتنہ گیروں نے دیا
کچھ نگاہِ ناز کے ان شوخ تیروں نے دیا

کچھ نظامِ وقت بدلہ کچھ مزاج دوستاں
دردِ دل مجھ کو مرے ہی دستگیروں نے دیا

غم لکھا ہے کیوں لکھا ہے مجھ کو کیا معلوم تھا
گردشیں کہتی ہیں قسمت کی لکیروں نے دیا

آشیانے پر مرے یہ بجلیاں کیوں کر گریں
یہ پتہ مجھ کو قفس کے ہی اسیروں نے دیا

رہبروں نے کس طرح لوٹا تھا مرا کارواں
آگے چل کر کچھ اشارہ راہ گیروں نے دیا

جن پہ تکیہ تھا مجھے وہ لوگ تو خاموش تھے
ساتھ لیکن ہر مصیبت میں حقیروں نے دیا

زندگی میں تو جگر آئے بہت شاہ وغنی
کچھ سکونِ دل مگر مجھ کو فقیروں نے دیا

غزل

دن رات جہاں کی ہیں بسر یاد نہیں اب
اُف پاؤں کو میرے وہ ڈگر یاد نہیں اب

جس در سے اُٹھا تھا کبھی طوفانِ بلاخیز
افسوس مجھے وہ بھی تو در یاد نہیں اَب

جس منزلِ مقصود پہ یہ پاؤں اُٹھے تھے
حد ہے کہ مجھے راہِ سفر یاد نہیں اَب

آئے نہ میرے کام جہاں ہوش وخرد بھی
اُن شوخ نگاہوں کا اثر یاد نہیں اب

جو لوگ بلندی سے گرے فرش زمیں پر
اُن کو بھی تو اقصیٰ کی ڈگر یاد نہیں اب

اک گھر پہ گری تھی کہیں کل رات میں بجلی
سب بھول گئے خیر وخبر یاد نہیں اب

زنداں سے نکل کر یہ جگر ہائے کدھر جائے
دیوانے کو محبوب کا گھر یاد نہیں اَب

غزل

تمثیل نہیں جس کی کوئی تعبیر بتائی جاتی ہے
جو حد میں سما سکتا ہی نہیں تصویر دکھائی جاتی ہے

خط لے کے میرا نامہ بر سے محبوب نے فوراً پھونک دیا
اس طرح کہیں پیاروں کی بھی تحریر جلائی جاتی ہے

تعمیر محبت میں بے شک انسان فنا ہو جائے مگر
نظروں سے کہیں ایسی نازک تعمیر گرائی جاتی ہے

انسان پریشاں ہوتا ہے جب ظلم کے حملوں سے پیہم
ایسی حالت میں غیب سے کچھ تدبیر بتائی جاتی ہے

دولت کے فرشتے لکھتے ہیں تقدیر غریبوں کی اکثر
اس طرح ہزاروں بندوں کی تقدیر مٹائی جاتی ہے

انساں کی سمجھ سے بالا ہے آنکھوں سے کبھی دیکھا بھی نہیں
اس اندیکھی جیوتی کی بھی تصویر بنائی جاتی ہے

بکھرے ہیں سر کے بال جگر دامن بھی چاک ہوا یکسر
حالت دیوانے کی تیرے تفسیر بتائی جاتی ہے

غزل

غم دنیا کا اب ماتم نہیں ہے
یہ میخانہ ہے کوئی غم نہیں ہے

ہر اک میکش یہاں پر ہے برابر
یہاں کوئی کسی سے کم نہیں ہے

میرے ساقی یہ کیسی فرض ادائی
جو میخانے کا وہ عالم نہیں ہے

کوئی دھوکہ ہوا تیری نظر کو
مری تشنہ لبی تو کم نہیں ہے

جنوں کا دور بہتر ہے خرد سے
کہ دیوانے پہ بار غم نہیں ہے

چلے ہیں لوگ ارتھی لے کے میری
مگر اک آنکھ بھی تو نم نہیں ہے

سمجھتا کیوں نہیں مجھ کو زمانہ
مری گفتار تو مبہم نہیں ہے

اکیلا ہے جگر اب اس جہاں میں
کوئی اس کا یہاں ہمدم نہیں ہے

غزل

بہت لوگ اُن کا کرم ڈھونڈتے ہیں
مگر ہم تو نظرِ ستم ڈھونڈتے ہیں

وہ تم ہو کہ پیہم خوشی ڈھونڈتے ہو
یہ ہم ہیں سوز و اَلم ڈھونڈتے ہیں

جنہیں مے کشی راس آئی نہ اب تک
وہ بے سود دیر و حرم ڈھونڈتے ہیں

تماشہ تو دیکھو یہ اہلِ خرد کا
چٹانوں پہ نقشِ قدم ڈھونڈتے ہیں

جہاں پر مسلسل غم جاوداں ہے
وہاں لوگ باغِ ارم ڈھونڈتے ہیں

میسّر نہیں خشک روٹی ہے جن کو
وہ کس واسطے جام و جم ڈھونڈتے ہیں

تراشے ہوئے بت کی شانِ خدائی
ابھی تک یہ اہلِ حرم ڈھونڈتے ہیں

حرم سے نکل کر جگر میکدے میں
یہ کیا شیخ جی محترم ڈھونڈتے ہیں

غزل

اس دورِ انقلاب میں چشمِ فسوں تمام
بے خود ہیں اضطراب میں اہلِ جنوں تمام

اللہ رے یہ گمان حسینوں کا دیکھئے
نیچی نظر ہے ان کی مگر سرنگوں تمام

اس شوخ کی نگاہ کا جادو خدا پناہ
پل بھر میں لوٹ لیگئی دل کا سکوں تمام

جادو تھا اس نگاہ میں یا میں تھا بے خبر
دامان چاک ہو گیا حالت زبوں تمام

عالم ہے تشنگی کا مجھے ہوش ہے کہاں
ساقی تیری نگاہ میں دورِ فسوں تمام

زخمِ جگر کی اَب تو ہے رنگت بدل گئی
سرخی دہانِ زخم کی ہے نیلگوں تمام

غزل

دیوانگی کا مجھ کو سبب یاد نہیں ہے
کچھ یاد تھا پہلے مگر اب یاد نہیں ہے

وہ پوچھ رہے ہیں میری روداد محبت
روداد محبت مجھے اب یاد نہیں ہے

وہ جشن بہاروں کا وہ بربادی گلشن
جب یاد تھا تب یاد تھا اب یاد نہیں ہے

آیا ہوں تیرے پاس تیرے در پہ کھڑا ہوں
دیوانہ ہوں دیوانہ۔ اب یاد نہیں ہے

احوال واقعی کا جگرؔ حال نہ پوچھو
سب یاد تھا مجھ کو مگر اب یاد نہیں ہے

غزل

جو رہے محروم اکثر کچھ بشر ایسے بھی ہیں
جن کا ہے لبریز ساغر بیشتر ایسے بھی ہیں

تھوڑی سی پی کر جنہوں نے ہوش اپنے کھو لئے
میکدے میں آجکل کچھ بے خبر ایسے بھی ہیں

جن کی آنکھوں میں نہ دیکھا ایک قطرہ اشک کا
ساتھ ارتھی کے کسی کی نوحہ گر ایسے بھی ہیں

دوستی کی آڑ میں جو دشمنی کرتے رہے
میرے ہی احباب میں کچھ فتنہ گر ایسے بھی ہیں

آج تک محروم ہیں جو روشنی کے واسطے
میری آنکھوں میں کئی تاریک گھر ایسے بھی ہیں

چلتے چلتے لوٹ لیتے ہیں جو اپنا کارواں
میری دانش میں ابھی کچھ راہبر ایسے بھی ہیں

خون کے چھینٹے چمکے ہیں شہیدوں کے جہاں
چند ویرانوں میں اب دیوار و در ایسے بھی ہیں

سیکڑوں پھولے پھلے باغ جہاں میں اے جگرؔ
جن پہ ہریالی نہ آئی کچھ شجر ایسے بھی ہیں

غزل

ہجر کی رات غمِ دِل کو سنوارے رہیئے
رات غمگین ہے اشکوں کے سہارے رہیئے

ایک جلتا ہوا دریا ہے انھیں اشکوں میں
میرے اشکوں سے ذرا آپ کنارے رہیئے

آپ کی زُلف قیامت سے سکوں ملتا ہے
اپنی یہ زُلف ابھی آپ سنوارے رہیئے

زندگی میری ابھی اور سنبھل سکتی ہے
میرے محبوب اگر آپ ہمارے رہیئے

بزم سے اپنی اٹھا دو تو کوئی بات نہیں
آپ ہیں جانِ جگر آنکھوں کے تارے رہیئے

غزل

میں رِند ہوں لیکن بے دام نہیں لوں گا
خیرات نہیں لونگا انعام نہیں لوں گا

ساقی تیری محفل میں یہ تشنہ لبی کیسی
چلّو ہی سے پی لونگا میں جام نہیں لوں گا

یہ تشنہ لبی میری گر آج بجھا دے تو
پینے کا قیامت تک پھر نام نہیں لوں گا

کچھ اور بھڑک جائے دِل کی نہ تپش میری
آغازِ محبت میں انجام نہیں لوں گا

جو صبح مصیبت ہو جو شام قیامت ہو
وہ صبح نہیں لونگا وہ شام نہیں لوں گا

ہے تشنہ لبی لیکن میں ہوش میں ہوں ساقی
ساغر کے چھلکنے کا اِلزام نہیں لوں گا

میں رند ہوں ڈر کس کا پیتا ہوں سرِ محفل
چپکے سے تو پینے کا میں نام نہیں لوں گا

کیا تشنہ لبی دیدوں اک جام کے بدلے میں
اس جام کو لے کر میں الزام نہیں لوں گا

الزام اٹھائے ہیں کیا کیا نہ زمانے کے
پینے کا مگر اب تو میں نام نہیں لوں گا

غزل

بے بسی سے نہ جل گمراہی سے نکل　　آگہی کے لئے دو قدم اور چل
نا امیدی سے ٹل خوش روی سے اچھل　　روشنی کیلئے دو قدم اور چل

اے دلِ بے خبر اے خردِ خود ستا　　آگہی کیلئے دو قدم اور چل
اے سیہ کاری بخت ہمت ذرا　　روشنی کیلئے دو قدم اور چل

عرشِ اعظم میرا دل ہے تو پاس ہے　　طور امین کا جلوہ مرے پاس ہے
جس کی رحمت پہ ہمدم تری آس ہے　　آ اسی کے لئے دو قدم اور چل

زرد ہونے نہ پائے یہ گلشن ہرا　　غنچہ و گل جو پائیں سہارا ترا
اے نسیم سحر آ بصد شوق آ　　تازگی کے لئے دو قدم اور چل

لغزش پا کو میری سہارہ تو دے　　زندگی کی تھکن جس سے کم ہو سکے
چاندنی رات ہے ہم نفس سوچ لے　　کامنی کیلئے دو قدم اور چل

بت کدہ دور ہے میکدہ پاس ہے　　میرے ناصح مجھے مے کشی راس ہے
خلد کی کس بنا پر تجھے آس ہے　　سرخوشی کے لئے دو قدم اور چل

ہے یہ بے سود صحرا نوردی تیری　　نذرِ وحشت ہوئی اے محب زندگی
حسن کا اب بھی دربار ہے واقعی　　دل کشی کے لئے دو قدم اور چل

دونوں عالم کا آقا مرے پاس ہے　　ہاں وہ ہر حد سے بالا مرے پاس ہے
شیخ مرکز حرم کا مرے پاس ہے　　اب اسی کے لئے دو قدم اور چل

خم سے پیتا رہا ہے جو عمر بھر　　پیچوں میں نہیں زندگی کی بسر
شیخ بولے ابھی تشنگی ہے جگر　　مے کشی کے لئے دو قدم اور چل

غزل

جلے خوابوں کی دُنیا میں بھری برسات گذری ہے
بڑی مشکل میں دیوانے کی پچھلی رات گذری ہے

بہت خونخوار ہیں تیری جدائی کی بھی یہ گھڑیاں
نہ پوچھو زندگی میری یہ کن حالات گذری ہے

غمِ دل کے تصادم میں دلِ مضطر کی بے تابی
لہو پی کر غمِ ہستی بہ اوقات گذری ہے

تری یادوں کی پروائی چلی ہے شام سے دل میں
مسلسل رات بھر یادوں کی اک بارات گذری ہے

تری زلفوں کی رعنائی قیامت خیز ہے لیکن
انہیں زلفوں کے سائے میں مری اک رات گذری ہے

شعورِ مے کشی جس کو نہیں وہ مے کشی کیسی
ابھی تو میکدے میں شیخ پہلی رات گذری ہے

گیا کس عزم کو لے کر سرِ شمع کی لَو پہ پروانہ
وفا کی راہ میں اس کی انوکھی ذات گذری ہے

غمِ دل کا فسانہ کون سُن کر شادماں ہوگا
کہیں پر دن ہیں گذرے تو کہیں پر رات گذری ہے

وہ کہتے ہیں رقیبوں سے جگر ہے ایک دیوانہ
مرے کانوں سے ان کی ایک ایسی بات گذری ہے

غزل

سب ان سے محبّت کی دُعا مانگ رہے ہیں
ہم اپنے گناہوں کی سزا مانگ رہے ہیں

لے جائے کہیں دور نہ جذبات کی دُنیا
جذبات کے عالم کی فضا مانگ رہے ہیں

جب تم تھے طلبگار وفا ہم نے وفا دی
اب وقت پڑا ہے تو وفا مانگ رہے ہیں

ممکن ہے تیرا مہر کبھی راس آئے نہ ہم کو
ہم سوچ سمجھ کر ہی جفا مانگ رہے ہیں

اے کاش شب ہجر قضا آئے نہ آئے
اس واسطے پہلے سے قضا مانگ رہے ہیں

یہ ہاتھ اُٹھے ہیں تو جبیں میری جُھکی ہے
دیکھو تو جگر تم سے یہ کیا مانگ رہے ہیں

سلام حضرت امام حسین علیہ السّلام شہید کربلا

اے حُسین ابن علی اے شاہِ دُنیا السلام
اے شہید کربلا ممتازِ شہدا السلام

حق پرستی کے محافظ اے امامت کے امیں
اے مجاہد دین اے اِمام دُنیا السلام

سر جُھکانا دین کی خاطر نہیں منظور تھا
آپ نے گردن کٹا دی شاہ شہدا السلام

آپ ہیں آل محمدؐ رہ نمائے دین ہے
آپ کو اور آپ کے نانا کو میرا السلام

دردِ دل سوزِ جگر اب کیا بیاں ہو اے حسینؑ
اے چراغ مصطفےٰ غم کے مسیحا السلام

نعت حضورِ سرورِ کائنات صلعم

جو بندے ہیں خدا کے غیر کا کب نام لیتے ہیں — وہ بڑھکر رحمتِ رضواں کا دامن تھام لیتے ہیں

جہانِ بیکسی میں جب کوئی چارہ نہیں ہوتا — تو دل سے ہم محمدؐ مصطفےٰ کا نام لیتے ہیں

تمہیں نے تو ہمیں نعمت عطا کی حق پرستی کی — خدا کے ساتھ ہم بھی اب تمہارا نام لیتے ہیں

خدا کی دین کی باتیں جہاں ہوتی ہیں دنیا میں — وہاں پہلے رسول اللہ کا ہم نام لیتے ہیں

شرارے نارِ دوزخ کے ہمارا کیا بگاڑیں گے — محمدؐ مصطفےٰ کا نام صبح و شام لیتے ہیں

جگر وہ اہل ایماں ہیں فرشتوں سے کہیں بڑھکر
جو اُٹھتے بیٹھتے اپنے خدا کا نام لیتے ہیں

نعت حضورِ سرورِ کائنات صلعم

مجھے کچھ بھی نہیں معلوم کیسے ہو کیا ہو تم
بس اتنا جانتا ہوں جو بھی ہو بعدِ خدا ہو تم

سراپا نور ہو دنیا کو بخشی روشنی تم نے
خدائی کی جھلک جس میں ملے ایسی ضیا ہو تم

کیا اللہ نے تم کو بھری خلقت پہ بالا تر
ملائک انبیا جتنے ہیں اُن سب میں جُدا ہو تم

میں کیسے چھوڑ دوں دامن تمہارا روزِ محشر میں
مجھے معلوم ہے دراصل محبوبِ خدا ہو تم

جو غافل ہیں حقیقت سے جو منکر ہیں خدائی سے
انھیں گمراہ بندوں کے لئے اک رہ نما ہو تم
جو بیمارِ جہالت ہیں ہے پردہ جن کی آنکھوں پر
اُنھیں کے تم مسیحا ہو ان آنکھوں کی دوا ہو تم
ہے جس پر ناز دُنیا کو خدائی جس پہ مرتی ہے
جگر کے پیارے پیغمبر محمدؐ مصطفےٰ ہو تم

نظمیں

یہ سیدھی یہ ٹیڑھی لکیریں جبیں کی
سراسر قیامت بپا کر رہی ہیں
تو نگر ہے کوئی تو نادار کوئی!
مقدّر مقدّر جُدا کر رہی ہیں
کہیں روشنی ہے کہیں تیرگی ہے
بڑا فرق ہے زندگی زندگی میں

موسمِ بہار

رقصاں ہوئیں بہاریں آیا ہے موسمِ گل　　دنیا میں سب کے من کو بھایا ہے موسمِ گل
بادل خوشی کا بن کر چھایا ہے موسمِ گل　　دامن میں رنگ بھر کر لایا ہے موسمِ گل

مستی سی ہے فضا میں موسم بہار کا ہے

بادِ صبا کے جھونکے خوشبو اُڑا رہے ہیں　　رعنائیوں کا ہر سُو جادو جگا رہے ہیں
سبزہ و گل کا منظر کیا کیا دکھا رہے ہیں　　آنکھوں میں بس رہے ہیں دل میں سما رہے ہیں

مستی سی ہے فضا میں موسم بہار کا ہے

آؤ خوشی کے ہم بھی مل جُل کے گیت گائیں　　ایسا نہ ہو یہ گھڑیاں غفلت میں بیت جائیں
اپنے چمن کو رشکِ باغِ ارم بنائیں　　کلیاں بھی مسکرائیں طائر بھی چہچہائیں

مستی سی ہے فضا میں موسم بہار کا ہے

کچھ بلبلیں بھی چونکیں ہنسائیں کھلکھلائیں　　چڑیوں نے آ کے ہر سو اٹھکھیلیاں مچائیں
قدرت نے ہر شجر کی سب ڈالیاں سجائیں　　بچوں نے گیت گا کر پھر تالیاں بجائیں

مستی سی ہے فضا میں موسم بہار کا ہے

انتظار

ابھی تو ستاروں کی محفل جمی ہے ابھی دل کی دھڑکن میں تھوڑی کمی ہے
ابھی آرہی ہے تیری یاد پیہم ابھی میری آنکھوں میں باقی نمی ہے
ابھی چند سانسیں بھی آجا رہی ہیں ابھی روح مرکز پہ اپنے جمی ہے
مگر دید کو روح ترسی ہوئی ہے یہ سچ ہے یہیں زندگی بھی تھمی ہے
مری زندگی پر کرم کرنے والے
کرم کر سویرا ہوا چاہتا ہے
ابھی دل ہے موزوں فضا ہے سہانی ابھی رنگ محفل پہ بھی ہے جوانی
ابھی حسرتوں کا بھی تانتا لگا ہے ابھی کچھ امیدوں میں بھی ہے روانی
ابھی آرزوؤں میں تاب وتواں ہے ذرا سُن جواں عشق کی بھی کہانی
ابھی تو دکھاتا ہے یہ زخم تم کو جو بخشا ہے مجھ کو بطورِ نشانی
مرے حال پر اے کرم کرنیوالے
کرم کر سویرا ہوا چاہتا ہے
ابھی ساز سب دلگی کے ہیں قائم، ابھی عشق کے راز سارے ہیں مبہم
ابھی تو وہی زخمِ دل بھی ہرا ہے کہ بوندیں لہو کی ٹپکتی ہیں پیہم
ابھی تو مرادیں ادھوری پڑی ہیں ابھی مشورے حوصلوں میں ہیں باہم
ابھی تو محبت کا نشہ ہے باقی ابھی تو ہے سازِ سکون بھی فراہم
مری زندگی پر کرم کرنیوالے
کرم کر سویرا ہوا چاہتا ہے

ابھی دو گھڑی رات باقی ہے محرم تم آجاؤ تو موت ہٹنے لگے گی
صراحی دھری ہے بھری ارغوانی جو تم ساتھ ہو رات کٹنے لگے گی
بکھرتی ہوئی چاندنی ہے ابھی تو ذرا دیر میں یہ سمٹنے لگے گی
سحر کا ستارہ لگا ٹمٹمانے ذرا دیر میں پو بھی پھٹنے لگے گی
مری زندگی پر کرم کرنیوالے
کرم کر سویرا ہوا چاہتا ہے

نظم

گلیوں میں بازاروں میں بھی ہے دھوم مرے افسانے کی
گلشن گلشن صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی
طوفاں ہے جذبوں کا دل میں اب دل تو بڑی مشکل میں ہے
ساحل کا پتہ معلوم نہیں اب ناؤ مری مشکل میں ہے
سب ہوش کی باتیں محو ہوئیں ہے یاد مگر میخانے کی
گلشن گلشن صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی
پامال مرے ارمان ہوئے لیکن ان کو تسکین ہوئی
تقدیر مری برباد ہوئی صورت ان کی رنگین ہوئی
آزاد رہیں دل شاد رہیں خیر مرے ویرانے کی
گلشن گلشن صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی
اک بھیڑ ہمیشہ ساتھ رہی جب میرا گریباں چاک ہوا
تسکین کا دامن چھوٹ گیا دل عشق میں جل کر خاک ہوا

دو باتیں یاد رہیں مجھ کو اِک ان کی اک پیمانے کی
گلشن گلشن صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی

چہرے سے ہٹا پردہ ان کے اس وقت میرا دل گھبرایا
میں ہوش و خرد سب کھو بیٹھا جب حُسن کا پرچم لہرایا
جب مجھ سے آنکھیں چار ہوئیں کیا بات ہوئی شرمانے کی
بستی بستی صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی

وہ آئے تصوّر میں ایک دِن، میں نے ہاتھوں سے جام لیا
وہ چلنے کو تیار ہوئے تو ان کا دامن تھام لیا
دامن کو چھڑانے کی بھی ادا کیا خوب رہی تڑپانے کی
بستی بستی صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی

جب شمع جلی تو فوراً ہی کرنیں پہونچیں پروانے پر
وہ پاگل ہوکر چکرایا آمادہ ہوا جل جانے پر
اُف وصل کا وقت آیا تو مگر بس جان گئی پروانے کی
بستی بستی صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی

وہ ظلم کی باتیں کرتے ہیں یا پیار کی باتیں کرتے ہیں
ہم یوں تو حقیقت میں بے شک ہر بات سے ان کی ڈرتے ہیں
اب بات وہ جو بھی کرتے ہیں، ہیں صرف وہ دل بہلانے کی
بستی بستی صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی

منزل پہ قدم رکھتے رکھتے طوفان نظر آیا مجھکو
ساحل کی حدوں سے باہر ہی لہروں نے دھمکایا مجھکو
آخر کو سفینہ ڈوب گیا کیا بات رہی سمجھانے کی
بستی بستی صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی
گلشن گلشن صحرا صحرا اب شہرت ہے دیوانے کی

ملّاح کی لڑکی

ایک دِن کی بات ہے دریا کنارے جا پڑا
دیکھنے میں محو تھا منظر سہانا تھا بڑا
پانی میں ہلچل ہوا میں سرسراہٹ خوب تھی
اوس کے موتی تھے مالامال ساری دُوب تھی
پانی بل کھاتا ہوا دریا کا ایسے تھا رواں
جیسے پانی کا ہو کوئی سانپ منزل پر رواں
چومتی لہریں رہیں دونوں کنارے بے حساب
جھومتی شاخوں کے منظر تھے جمیل و لاجواب
بیٹھتے اُٹھتے تھے پانی میں مسلسل یوں حباب
جیسے مفلس کی جوانی جیسے الھڑ کا شباب
تھم گئیں میری نگاہیں دور ساحل پر کہیں
تھم گئی تھی دِل کی دھڑکن ہوش تھا پر نہیں
دھیرے دھیرے آرہی تھی ایسی شرمائی ہوئی
جیسے ہو نیلم پری خود قاف سے آئی ہوئی
ایسی دھیمی چال ہیں پانی کو دھلائے ہوئے
ایک چھوٹی ناؤ آئی پال پھیلائے ہوئے
ناؤ سے اس تٹ پہ اُتری لڑکی اِک ملّاح کی
گود میں ساحل کے گویا صفت اللہ تھی
یہ حسینہ تھی سراپا حور در خلدِ بریں!
ذکر خود شکل میں ہے بس آفریں صد آفریں
بے تکلف سادگی پر شوخیاں قربان تھیں
حُسن کی بے باک ادا پر بجلیاں حیران تھیں
ایک عجب انداز میں تھی ناز سے ایسے کھڑی
جیسے دریا کے کنارے گرمیوں میں چاندنی

اور کی تو بات کیا اب شعر یہ میں نے کہے — روپ رنگ ایسا کہ خود حیرت ہیں کاریگر بہے

آفریں وہ سانچہ جس سانچے میں یہ حسنی ڈھلی — وہ بھی کوئی حور ہو گی گود میں جس کے پلی

ایک حیرت کا سماں تھا ایک حسرت کی گھڑی — ایک دلکش تھا تماشہ جیسے جادو کی چھڑی

یا د جب آتی ہے وہ ملّاح کی لڑکی کبھی — نبض کی رفتار لگتی ہے ذرا بھڑکی ہوئی

بھول جاتے عشق سعد و وامق و فرہاد قیس — دیکھ کر اس کو سمجھتے عشقِ ور تھ لیس

اے جگرؔ وہ درحقیقت موہنی اوتار تھی — ورنہ مجھ سے پارسا پر کیا جنوں کی مار تھی

نظم

کہیں ہے خوشی تو کہیں غم کا ڈیرا — کہیں روشنی ہے کہیں گھُپ اندھیرا

کوئی رو رہا ہے کوئی ہنس رہا ہے — کہیں رات اندھیری کہیں ہے سویرا

ہزاروں برس سے ہزاروں برس تک
ہے یہ ساز ہر ایک کی زندگی میں

کہاں وہ محبت کی پرجوش باتیں — کہاں یہ جدائی کی خاموش راتیں

اسی رنج و راحت کا ہے نام دنیا — کہیں پر خوشی ہے کہیں غم کی گھاتیں

میں سمجھاؤں کیونکر دلِ بے زباں کو
بڑا فرق ہے اس گھڑی اس گھڑی میں

کہاں عشق میں وہ بغاوت کے نغمے — کہاں حسن کے وہ نزاکت کے نغمے

ہیں انجام میں یہ بہر حال یکساں — وہ ہوں مرثیے یا مسرت کے نغمے

ہیں مجبوریاں آپ کو بھی ہمیں بھی
بڑا فرق ہے بے بسی بیکسی میں

کوئی ہے تونگر کوئی دل برشتہ
ہے شیطان کوئی تو کوئی فرشتہ
یہ دنیا عجب ہے عجب لوگ اسکے
کوئی بے تعلق کسی سے ہے رشتہ
ستم گر یہیں ہے ستم کش یہیں ہے
بڑا فرق ہے آدمی آدمی میں

یہ سیدھی یہ ٹیڑھی لکیریں جبیں کی
سراسر قیامت بپا کر رہی ہیں
تونگر ہے کوئی تو نادار کوئی
مقدر مقدر جدا کر رہی ہیں
کہیں روشنی ہے کہیں تیرگی ہے
بڑا فرق ہے زندگی زندگی میں

یادِ ماضی

اس دِل کے چھپے ارمانوں کی ہولی جو منائی تھی تم نے
ہنستے ہنستے ہی محبت کی اک رات جگائی تھی تم نے
پروانہ و شمع کے رشتے کی کچھ بات بتائی تھی تم نے
اس وقت تمہارا عہدِ وفا معلوم نہیں کیوں یاد آیا
اُف ایک زمانہ بیت گیا معلوم نہیں کیوں یاد آیا

وہ حُسنِ مجسّم یاد آیا عارض کی نکھاریں یاد آئیں
گلبار تبسم کی شوخی چہرے کی بہاریں یاد آئیں
جب تیر نظر کی چوٹ ہوئی تو دل کی پکاریں یاد آئیں
اک موجۂ بادِ شمیم آیا سامانِ دلِ ناشاد آیا
اُف ایک زمانہ بیت گیا معلوم نہیں کیوں یاد آیا

مستی کی فضائیں ایسی تھیں عقبیٰ نہ کچھ دُنیا کی خبر
ہم دونوں غافل ایسے تھے مینا نہ کچھ صہبا کی خبر
تھا رنگِ جنوں طاری ایسا امروز نہ کچھ فردا کی خبر
وہ زُلفِ پریشاں یاد آیا آبادِ دلِ برباد آیا
اُف ایک زمانہ بیت گیا معلوم نہیں کیوں یاد آیا

برسوں بیتے مہ پاروں میں مُدت گذری دیوانوں میں
جب ہوش جنوں میں جنگ ہوئی کچھ عمر کٹی ویرانوں میں
آخر اک نورِ نظر آیا اپنے دل کے تہ خانوں میں
ہنگام جو وہ کافور ہوا تو خیر سے حُسن آباد آیا
اُف ایک زمانہ بیت گیا معلوم نہیں کیوں یاد آیا

یوں عشق کا جن سر پر تھا چڑھا طوفان کا ہو بادل جیسے
وہ حُسن کی نکھری چاندنی میں بجتی ہو کوئی پائل جیسے
ان ہوش رُبا نظاروں نے کر ڈالا مجھے پاگل جیسے
گھنگھور مسّرت کا وہ سماں ہر قید سے جب آزاد ہوا

اُف ایک زمانہ بیت گیا معلوم نہیں کیوں یاد آیا

ساغر میں بادہ چھلکتی تھی، ہم تھے تم تھے تنہائی تھی
ہم محو تھے دونوں آپس میں ہر سمت مگر رسوائی تھی
سب رات کٹی تھی پلکوں میں اس وقت عجب رعنائی تھی
جب حُسن میں عشق سمایا تھا اس دَم خاصہ فرہاد آیا

اُف ایک زمانہ بیت گیا معلوم نہیں کیوں یاد آیا

گیت

گھر کا مرے بگڑا ہوا یہ حال تو بدلے
بدحالی و افلاس کا یہ فال تو بدلے
بدلے یہ میرا حالِ پریشاں کسی صورت
کچھ سانس ہوں آسان تو میں گیت سناؤں
سنبھلے ذرا انسان تو میں گیت سناؤں

کچھ دن سے ہے مہمان غریبی مرے گھر میں
پائی ہے جو جل پان غریبی مرے گھر میں
سب باندھ کے سامان مصیبت مرے گھر میں
نکلے جو یہ مہمان تو میں گیت سناؤں
سنبھلے ذرا انسان تو میں گیت سناؤں

مجبور ہے انسان کوئی راہ نہیں اب

ایسا بھی کہیں ہے کہ وہ آگاہ نہیں اب
تدبیر رہائی کی نظر میں نہیں کوئی

مشکل ہو کچھ آسان تو میں گیت سناؤں
سنبھلے ذرا انسان تو میں گیت سناؤں

مہنگائی نے لوگوں کی کمر توڑ رکھی ہے
تفسیر نے تقدیر بشر پھوڑ رکھی ہے
بگڑی ہوئی تقدیر کسی رنگ سے بدلے

خوش حال ہو انسان تو میں گیت سناؤں
سنبھلے ذرا انسان تو میں گیت سناؤں

کیوں خشک سے ہیں ہونٹ گلابوں کے چمن میں
شعلے سے بھڑکتے ہیں گلستاں کے گگن میں
کلیوں پہ ہے زردی کا اثر گرم ہوا سے

کچھ ان میں پڑے جان تو میں گیت سناؤں
سنبھلے ذرا انسان تو میں گیت سناؤں

اُٹھتا ہوا طوفان بحیرہ کی لہر میں
ناگاہ کرے بیڑے کو لے آئے اثر میں
بھگوان یہ کشتی جو نکل جائے بھنور سے

ٹھہرے کہیں طوفان تو میں گیت سناؤں

سنبھلے ذرا انسان تو میں گیت سناؤں

عورت

اے خیالوں کی مرے ملکہ مرے دل کا سکوں
اے مرے جذبات کی دیوی مرے من کا فسوں
تجھکو میں عورت کہوں عصمت کہوں یا کیا کہوں
کچھ سمجھ سکتا نہیں اس دور میں اب کیا کہوں

تجھکو میں دیوی کہوں چنڈی کہوں دُرگا کہوں
ایک معمّہ ہے تُو دنیا کے لئے میں کیا کہوں
تیری ہستی ہے سراپا باغِ ہستی کی بہار
تیرے پہلو سے مجھے ملتی ہے بوئے خوشگوار

مرکزِ ہستی ہے تو انسانیت کے باب میں
زندگی انسان کی تجھ سے ہے آب و تاب میں
رفعتِ انساں ہے تو اور ہمّتِ مرداں ہے تو
جنسِ انسان کی خاطر اب بھی سرگرداں ہے تو

تو نے کتنے روپ بھر کر رہ نمائی کی مری
خود سہی تکلیف لیکن دلربائی کی مری
آدمی کو تو نے پالا ہے ہزاروں ناز سے
دل کے ٹکڑے کو سنبھالا ہے بڑے انداز سے

بن کے آئی تھی کبھی تو دھر میں تارامتی
پھر وہی تو روپ تیرا بن گیا پدماوتی
شان قدرت تھی ہویدا یا تھی تو حورِ جہاں
ملکہ تھی مہرالنسا یا شاہ و شوکت کا نشاں

میرا بائی بھگت تھی بھگوان کی ایک رازداں
صفحۂ گیتی پر اس کا نام تو ہے جاوداں
تو زُلیخا تھی کبھی تیرا ہی یہ کردار تھا
بک گیا یوسف تیری خاطر سر بازار تھا

تو نے دُنیا کو دیا ہے رام سے بھگوان کو
گود سے تیرے اُٹھے تھے کرشن ارکھنے آن کو
تجھ سے عیسیٰ تجھ سے موسیٰ کا زمیں پر ہے وجود
تیری ہستی سے خدائی کا ابد تک ہے نمود

تجھ سے گاندھی تجھ سے گوتم کا بڑا اقبال تھا
تیرے پہلو سے اٹھا وہ آمنہؑ کا لال تھا
الغرض تیری کہانی میں سُنا سکتا نہیں
تیرے اتنے روپ ہیں جن کو بتا سکتا نہیں

تیرے کتنے نام ہیں کیا کیا دکھاؤں میں یہاں
تیرے کتنے کام ہیں کیا کیا بتاؤں میں یہاں

تو ہوئی جلوہ نما سیتا کے پیارے روپ میں
کتنے دِن تو نے گذارے چاندنی میں دھوپ میں

خود اہلیا خود ہی تارا خود ہی تھی منڈودری
پدمنی کے روپ میں تیری ہی تھی جلوہ گری
تو کبھی زینبؓ بنی پھر آئی بن کر فاطمہؓ
تو کبھی مریم ہوئی کرنے کو غم کا خاتمہ

خود اہلیا بائی تھی خود چاند بی بی تھی کبھی
تاجدار ہند تو سلطانہ رضیہ تھی کبھی
یاد ہے جھانسی کی رانی کا فسانہ یاد ہے
جنگ کے میدان میں اُس کا نشانہ یاد ہے

لکشمی بائی کے ہاتھوں تیغِ ہندی کا جلال
دشمنوں کے خون سے دھرتی ہوئی جب لال لال
تھی عناں گھوڑے کی مُنہ میں ہاتھ میں تلوار تھی
دشمنوں کے بیچ میں چنڈی کا تو اوتار تھی

ایک اشارے میں زمانہ کو سجا سکتی ہے تو
اور اگر چاہے تو دنیا کو مٹا سکتی ہے تو
آج جن ہاتھوں میں ہے۔ یہ پالنے کی ڈور بھی
ساری دُنیا پر حکومت کا ہے اُن میں زور بھی

جی میں آجائے تو شنکر کو نچا سکتی ہے تو
ایک اشارے پر مہا بھارت رچا سکتی ہے تو

~~اک طرف پیمانۂ عیش و طرب لبریز ہے~~
دوسرا پہلو ترا لیکن قیامت خیز ہے
آج تک دنیا میں روشن ہیں ترے نام و نشاں
آج بھی ہے تیرے قدموں پر جھکا سارا جہاں

خراجِ وطن

بروقت آزادی ہند جشن جمہوریہ سنہ ۱۹۴۷ء

آج ہے نغمہ خواں پھر زبانِ سخن
گیت چھیڑو کوئی نکتہ دانِ سخن
شادماں شادماں انجمن انجمن
نام کو بھی نہیں اب تو رنج و محن

روپ رس میں نہایا ہے سارا چمن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

تیری دھرتی سے اپجے بھرت ستروھن
تیری اولاد سدھارتھ و رام و کشن
خاک سے تیری گاندھی بھی پیدا ہوئے
جس کے دم سے اہنسا کا جاگا چلن

خاک کو تیری چومے نہ پھر کیوں گگن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

تیرے سر پر ہمالہ دھرا تاج ہے
تیرے میداں میں ندیوں کا معراج ہے
کھیت کھلیان لہکے ہیں چاروں طرف
تیرے دامن میں سب کے لئے ناز ہے
قابلِ دید ہے حُسنِ گنگ و چمن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

اس زمیں پر ہریش چند نامی ہوا
جس کا اب تک نہ کوئی بھی ثانی ہوا
یوں یہاں راجہ بلِ بھی کرن بھی ہوئے
دان ویروں میں ہر بے مثالی ہوا
جس کی خوشبو سے مہکا ہوا ہے زمن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

تیرا فرزند ارجنؔ بڑا ویر تھا
عظمتِ دہر ذاتِ ہمہ گیر تھا
جس نے مٹایا تھا کوروں کا نام ونشان
دشمنِ ظلم جس کا ہر اک تیر تھا

تھا کرُدچھیتر میں جو کہ ناوک فگن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

وہ اشوک ایسا سمراٹ فخرِ جہاں
اس کے اتہاس میں ہے اَمر داستاں
جس نے چین اور ایران کو سر کیا
جس کا ہے نام تاریخ میں جاوداں

تو نے پیدا کئے ایسے ایسے رتن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

آج پرتاپ کی ہے کہانی جواں
ہے شیواجی کی تیغِ بھوانی جواں
آن ٹیپو کی بھی راجپوتوں کی بھی
دیش بھگتوں کی ہے جانفشانی جواں

تیرے دَم سے ہے زندہ شجاعت کا فن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

سورداس اور میرا کا ہندوستان
سنت تلسی کا سرسبز ہے گلستان
یہ کبیرا اور نانک کی بانی سیل
پیارے چشتی کی رنگین بیانی عیاں

جن سے روشن ہوئی شمعِ علم و سخن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

جو لٹیرے فرنگی یہاں آ گئے
بن کے تجار آ کر یہاں چھا گئے
لیکن آئی یہاں غدر کی وہ گھڑی
مارے کاٹے گئے وہ تو تھرّا گئے

لاشیں انگریزوں کی سڑ گئیں بے کفن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

آگے چل کر جہادی ہوا چل گئی
دِل میں انگریز کے پڑ گئی کھلبلی
سر سے باندھے کفن انقلابی اُٹھے
جس سے لندن میں بھی چھا گئی سنسنی

سر پر انگریز کے مسکرایا گگن!
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

اپنی فوجوں کا نانا بنا رہنما
مثلِ طوفان وہ کانپور پر چڑھا
رانی جھانسی اُٹھی تیغ ہندی لئے

انتقاماً یہ جاری ہوا سلسلہ

پھر اُٹھے لکھنؤ سے بھی نقارۂ شاہ
تھی غلامی سے انگریز کی جن کی ڈاہ
پھر حرم سے نکل آئیں حضرت محل
کرنے افرنگ کا نام بالکل تباہ

کر دیا ہنٹ کو قتل تھا اہرمن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

وہ بھگت سنگھ اور ہم و بسمل تیرے
اور اشفاق چوتھے بہادر بڑے
تجھ کو آزاد کرنے کی خاطر بڑھے
یہ جانباز تھے سولیوں پر چڑھے

ان دلیروں سے حیراں تھے دار و رسن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

تیری خاطر تیرے پوت چڑھتے رہے
نام لے کر سبق تیرا پڑھتے رہے
گرم رکھتے ہوئے اپنا جوشِ عمل
دم قدم سوئے منزل وہ بڑھتے رہے

لاکھ جاری تھا سب پر فرنگی دَمن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

وقت آیا تو گاندھی نے کھائی قسم
دیش پر دیکھ کر وہ فرنگی ستم
اپنی بے باک اہنسا کی تلوار سے
توڑا بندوقوں توپوں کا سارا بھرم

ہو گئے جس کے آگے فرنگی ہرن
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

اب تو ہو کر اہنسا سے ہم منسلک
حقِ جمہوریت میں ہوئے منہمک
سرنگوں آج ہے ہند سے کُل جہاں
خود ہیں آزاد بھارت کے ہم نا گرگ

اس پہ نچھاور کریں مل کے تن اور من
اے وطن اے وطن میرے پیارے وطن

برسات

یہ خوش گوار موسم برسات کا سماں ہے ۔۔۔ لیکر نئی امنگیں بادِ صبا رواں ہے

سب کھیت لہلہائے ندیاں اُمڈ پڑی ہیں ۔۔۔ موجِ سموم کا اَب نام ونشاں کہاں ہے

ہے مینڈکوں کی ٹرٹر چڑیوں کا چہچہا ہے ۔۔۔ اَب مور ناچتا ہے جھینگر بھی خوش نوا ہے

موسم کی تازگی کا سب گیت گا رہے ہیں ۔۔۔ برسات کا زمانہ فرحت بکھیرتا ہے

ٹھنڈی ہوا کا جھونکا گلشن میں اَب جواں ہے ۔۔۔ ہر پھول ہے خوشی میں ہر شاخ اَب تواں ہے

سبزہ لہک رہا ہے مہکی ہوئی ہے دھرتی ۔۔۔ نقشہ پلٹ چکا ہے بادِ خزاں کہاں ہے

وہ چھوٹے چھوٹے نالے تیزی سے سرسراتے ۔۔۔ کوئی اُدھر سے آتے کوئی اِدھر سے جاتے

مرغوب ہے فضا اَب مرغوب ہیں ہوائیں ۔۔۔ جھرنوں سے آرہا ہے پانی بھی گنگناتے

ندیاں اُمڈ اُمڈ کر مستانی چل رہی ہیں ۔۔۔ خوشیوں کے گیت گویا سب گاتی چل رہی ہیں

وہ چھوٹی چھوٹی ناویں دریا میں پال کھولے ۔۔۔ رنگین دولہن کی صورت اٹھلاتی چل رہی ہیں

گھر سے کسان نکلے کندھوں پہ ہل اٹھائے ۔۔۔ بیلوں کو ساتھ لیکر کھیتوں میں اپنے آئے

کس شان سے وہ دیکھو دھرتی پلٹ رہے ہیں ۔۔۔ محنت کشوں کا ہرگز یہ وقت ٹل نہ جائے

محوِ خرام ہے اَب بادِ صبا گگن میں ۔۔۔ کچھ جان پڑ گئی ہے کلیوں کے بانکپن میں

یہ خوش گوار جھونکے یہ بادیہ گھٹائیں ۔۔۔ دلکش بنا رہی ہیں ہر چیز کو چمن میں

جھرنوں کے پاس دیکھو ایک بے شمار عالم ۔۔۔ ہے دلفریب منظر ہے خوشگوار عالم

گلشن میں چاندنی کی چادر بچھی ہوئی ہے ۔۔۔ موسم بجا رہا ہے یوں تازگی کا سرگم

پر دار کر رہے ہیں پرواز اب ہوا میں ۔۔۔ ذی روح ہو رہے ہیں بدمست اس فضا میں

القصّہ ایک سکوں سا کُل کائنات میں ہے
خنکی سما گئی ہے پورب کی آب و ہوا میں

برسات کا یہ موسم کیسا ہے مَن لبھاتا
ہر رات ہے سہانی ہر روز ہے سہانا

چاروں طرف لگی ہے پھولوں کی اب نمائش
بدلا ہوا ہے کیسا دَھرتی کا تن پرانا

برسات میں گلوں پر پھر سے نکھار دیکھو
دنیا سے مٹ گیا ہے گرد و غبار دیکھو

شاخیں لچک رہی ہیں کلیاں چٹک رہی ہیں
آئی بہار لے کر باغ بہار دیکھو

تازہ ہوئی ہیں پھر سے ہر ذات کی اُمنگیں
سازوں میں ڈھل رہی ہیں نغمات کی ترنگیں
سرمست ہیں ہوائیں ساون کی ہے یہ رِم جھم
برسات میں اُٹھی ہیں جذبات کی ترنگیں

قطعات

اُٹھے تھے قدم جس پہ وہ راہِ طریقت تھی
جب ہوش مجھے آیا تھا سامنے مے خانہ
تجھ سے نہ شکایت ہے تجھ سے نہ گلہ کوئی
کہتے ہیں سبھی مجھ کو دیوانہ ہے دیوانہ

میری فردِ عمل پر جب سوال اُٹھا سرِ محشر
فرشتوں نے اشارے سے کہا تصویر اس کی ہے

کہا داور نے مجھ سے .بول کیا کہتا ہے اے بندے
کہا میں نے کہ اے مولا بتا تقصیر کس کی ہے

پانچ تتوں سے بنی ہے کائنات
جسم کی تعمیر ان کا کام ہے
اور اگر آجائے ان میں انتشار
زندگی کو موت کا پیغام ہے

درحقیقت زندگی ایک کھیل ہے
وقت کی پٹری پہ چلتی ریل ہے
موت کے آنے کا کوئی غم نہیں
آتما پرماتما کا میل ہے

زندگی اک راز بن کر رہ گئی
دور کی آواز .بن کر رہ گئی
ڈوب جائیں یا لگیں ساحل سے ہم
زندگی غمّاز بن کر رہ گئی

یہاں کچھ لوگ ایسے ہیں جو غم کی بات کرتے ہیں
مگر کچھ لوگ اُن میں سے رحم کی بات کرتے ہیں
کوئی ان کے ستم کا شکوہ بھی کرتا نظر آئے
مگر ہم تو دمِ آخر عدم کی بات کرتے ہیں

ڈاکٹر ہنومان پرشاد سریواستوا

جگر بستوی

کی

طویل دلگداز نظم

سرون کمار

دیدہ زیب ٹائیٹل کے ساتھ

شائع ہو چکی ہے

پرنٹر پبلیشرز : ——— ایم این صدیقی (ایس-ای-ایم)
e - 2 - د جے چیمبرس ترنبھون روڈ بمبئی ۴۰۰۰۰۴